جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد
عالمِ ربانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ
بانی جامعہ مدنیہ

نگران
مولانا سیّد رشید میاں مدظلہ
مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

مئی
۱۹۹۶ء

ذی الحجہ
۱۴۱۶ھ

چار چیزیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہشت میں چار ایسی چیزیں ہیں جو بہشت سے بھی بہتر ہیں۔

(۱) بہشت کی ہمیشگی بہشت سے بھی بہتر ہے۔

(۲) بہشت میں فرشتوں کی خدمت بہشت سے بھی بہتر ہے۔

(۳) بہشت میں پیغمبروں کی ہمسائیگی بہشت سے بھی بہتر ہے۔

(۴) بہشت میں حصولِ رضائے الٰہی بہشت سے بھی بہتر ہے۔

اور دوزخ میں چار چیزیں ایسی ہیں جو دوزخ سے بھی بدتر ہیں۔

(۱) دوزخ کی ہمیشگی دوزخ سے بھی بُری ہے۔

(۲) دوزخ میں فرشتوں کی جھڑکیاں دوزخ سے بھی بُری ہیں۔

(۳) دوزخ میں شیطان کی ہمسائیگی دوزخ سے بھی خراب ہے۔

(۴) دوزخ میں اللہ کی ناراضگی دوزخ سے بھی بدترین ہے۔

لہٰذا ہر مومن کو چاہیے کہ وہ بہترین چیزوں کو طلب کرے اور بدترین چیزوں کو چھوڑ دے۔

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد مترجم، ص ۹۳، ۹۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۴ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ ـ مئی ۱۹۹۶ء شمارہ : ۸

مدیر

سیّد محمودؔ میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے . . . . سالانہ ۱۱۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ... ″ ۴۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش . . . . . . ″ ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ . . . . ″ ۱۶ ڈالر

برطانیہ . . . . ″ ۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۷۷۲۴۲۷۴-۲۰۱۰۸۶

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد!

گزشتہ ماہ ۲۶ اپریل کے روزنامہ نوائے وقت میں قانون و انصاف کے وزیرِ مملکت میاں رضا ربّانی کے ایک بیان کے ذیل میں ڈاکٹر ریحان صاحب نے سینٹ میں کہا کہ" دینی مدارس کے بچّے بھکاریوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں، کیا ہم بھکاریوں کی قوم پیدا کر رہے ہیں"۔ جواباً وزیر مملکت نے کہا" اگر کوئی ٹھوس مثال سامنے لائی جائے تو کارروائی کی جا سکتی ہے"۔

اگر ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ ارشادات کے پسِ پردہ دینی مدارس کے طلبہ سے ہمدردی کے جذبات ہیں تو جذبات کی حد تک معاملہ قابلِ قدر ہے لیکن اظہار کا طریقہ بالکل نامعقول ہے۔ ڈاکٹر صاحب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ جس ملک کی آبادی کا اکثر حصّہ ناخواندہ غیر مہذّب اور مالی اعتبار سے بے حال ہو تو وہ پہلے ہی سے خود بخود بھکاری یا بھکاریوں جیسے نہ ہوں گے تو کیا ہوں گے۔ دینی مدارس کا اس میں کیا قصور؟ دینی مدارس کسی ٹیکسال کا نام تو نہیں۔ جہاں نوٹ چھاپ کر بانٹے جاتے ہوں، بلکہ یہاں تو قوم کے نادار اور دھتکارے ہوئے افراد کو قوم کے کھاتے پیتے اور متموّل افراد کی اولاد کے ساتھ برابری کی بُنیاد پر ایک ہی حلقۂ درس میں اخلاق و علم کے زیور سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ملک میں بہت سے کھاتے پیتے گھرانے ایسے بھی ہیں جو مدارس کے قدرشناس ہیں اور اپنی اولاد کو جامعات میں تعلیم کی غرض سے بھیجتے ہیں جہاں ان کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا غریب و امیر مل جل کر تعلیم پاتے ہیں۔ اس ماحول کی وجہ سے یہی بھکاری طلبا (بقول ڈاکٹر صاحب) احساسِ محرومی سے آزاد ہو کر بڑے

اعتماد کے ساتھ اپنی عملی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ کوئی تجارت کرتا ہے، کوئی زراعت کوئی تدریس و تعلیم کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو کوئی تصنیف و تالیف کی لائن اختیار کرتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر و طبیب بنتا ہے تو کوئی تاجر غرض ہر میدان میں وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ اُترتا ہے۔ ہمارے جامعہ یا ملک کے بڑے جامعات میں جس کا جی چاہے بچشم خود اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ حتّٰی کہ سیاست اور جہاد کے میدان میں بھی ان کی پنجہ آزمائی سے ایک جہان واقف ہے۔

ہندو پاک کی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ملک کے یہ تعلیمی ادارے اپنی فلاحی خدمات میں ایسا اعلیٰ مقام رکھتے ہیں کہ موجودہ اور سابقہ حکومتیں اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں پورے ملک میں دینی مدارس کے سوا کوئی تعلیمی ادارہ ایسا نہیں ہے جو تعلیمی خدمات بلا کسی عوض کے انجام دیتا ہو، حتّٰی کہ درسی کُتب کی فری فراہمی، علاج کی سہولیات مفت رہائش اور کھانا بعض اوقات ضرورت مند طلباء کے لیے لباس کا انتظام اور ماہانہ وظیفہ جس سے ضروری جیب خرچ کی کفالت ہو جاتی ہے۔ یہ چند نمایاں خدمات ہیں جو موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بھکاریوں اور ناداروں کی دینی مدارس کر رہے ہیں۔ ان کو اپنی آغوش شفقت میں لے کر اور علم و حکمت سے مزیّن کر کے معاشرے میں اُن کو ممتاز مقام عطا کرتے ہیں، جبکہ حکومت کے اور پرائیویٹ تعلیمی ادارے طلباء سے فیس لیتے ہیں جتنا بڑا اسکول ہوتا ہے اتنی ہی بڑی فیس ہوتی ہے۔ جن میں زیادہ تر زور انگریزی زبان پر دیا جاتا ہے جو اجنبی قوم کی زبان ہے۔ اخلاقی اور مذہبی تعلیم صفر ہوتی ہے، جبکہ پوری کوشش کے باوجود اکثر طلباء کی انگریزی قابلیت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ البتہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، اُلٹے ہاتھ سے کھانا اور ناچنا خُوب اچھی طرح سکھا دیا جاتا ہے۔ مگر اس کے لیے اتنا پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ تو چڑیا گھر کے بندر کو دیکھ کر بھی سکھایا جا سکتا ہے۔ کالجوں اور یُونیورسٹیوں سے فراغت کے بعد ان کا کوئی واضح مستقبل نہیں ہوتا، بلکہ معاشرے کے اکثر جرائم انہی سرکاری فضلاء کے ہاتھوں ہوتے ہیں آئے دن اخبارات میں چھپنے والی خبریں اس پر شاہد ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں اکثر مساجد میں یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ سلام پھیرتے ہی اسکول اور کالجوں سے نکلنے والے بے روزگاری کے سبب نمازیوں سے رو رو کر امداد کی اپیل کرتے ہیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خودکشی بھی کر بیٹھتے ہیں۔ کیا ڈاکٹر ریحان صاحب کو اسکول، کالجوں سے نکلنے والے بھکاریوں کے اس جلوس کی اور خودکشی کے ذریعے مرنے والوں کی فکر نہیں، مدارس سے نکلنے والے طلباء کو کبھی نہ دیکھا ہو

کہ وہ اس طرح بر سرِ عام اپنی ذات کے لیے سوال کریں، البتہ اداروں کے لیے چندوں کی اپیل کرتے ضرور دیکھا ہوگا، اور اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ ہاں اس بات سے کوئی انکار نہیں کہ بعض دفعہ مذہبی وضع قطع کے حامل افراد سے ایسی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں جو سب کے لیے باعثِ عار ہوتی ہیں مگر یہ قانونِ قدرت ہے کہ پھل دار درخت سے کچھ پھل گلے سڑے بھی گرتے ہیں، مگر اس میں درخت کا کوئی قصور نہیں ہوتا، پھل چننے والے کو چاہیے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ صحیح پھل ہی کھائے اور خراب پھل سے بچے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام ایک سچّا نظام عدل ہے لہٰذا مظلوم کو اس کا حق دلانے اور ظالم کو ظلم سے روکنے میں اسلام ایک لمحہ کی تاخیر بھی گوارا نہیں کرتا۔ اس لیے ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ معاشرہ کے گرے پڑے درماندہ لوگ اسکی طرف کھنچتے چلے آتے ہیں اسلام کی وجہ سے ان کو قوّت نصیب ہوتی ہے جو سوسائٹی کے سرداروں اور پیٹ بھرے حضرات پر گراں گزرتی ہے اور یُوں ان دو طبقوں کا تقابل شروع ہو جاتا ہے۔ مگر اسلام کی فطری فراخی کی بدولت دوسرے طبقہ کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اُن کے جائز مفادات کا مکمّل تحفّظ کیا جاتا ہے، کیونکہ اسلام جہاں اُن کو ظلم سے روکتا ہے وہاں ان پر کسی کو ظلم کی اجازت بھی نہیں دیتا، لہٰذا بالآخر یہ طبقہ بھی اسلام کے عدل و فراخی کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے جس میں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا اور یُوں دونوں جہانوں کی سعادتوں کے دروازے اس معاشرہ پر کھل جاتے ہیں۔

سینٹ میں بحث کے دوران اسی مضمون کے ذیل میں بلوچستان کے عبدالرحمٰن مندوخیل نے ہرزہ سرائی کرتے ہُوئے کہا ہے کہ دُنیا میں جہاں بھی کہیں دہشت گردی ہوتی ہے۔ دینی مدارس کے ذریعے اندرونی اور بیرونی طور پر افراد مہیّا کیے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ان مدرسوں کے طلباء کو "پراکسی وار"[1] کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

مندوخیل صاحب کے خیالات سے انہی کے ہم مشرب افراد تو اتّفاق کر سکتے ہیں، ورنہ ادنٰی سوجھ بوجھ والا آدمی بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اگر یہ مدارس دینیہ نہ ہوتے

---

[1] بطور آلہ کار لڑائی۔

تو رُوس کی جانب سے آنے والی یلغار کو دُنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی، شاید اسی بات کا غم مندوخیل صاحب کو بار بار ستاتا ہوگا جس بنا پر بے سوچے سمجھے وہ اس قسم کے بیانات داغتے رہتے ہیں رُوس کی نمک حلالی کا ایسا انداز اختیار کرنا جس سے دین پہ زد پڑے انسان کے ایمان کے لیے خطرناک ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے دین کی سچی محبّت عطا فرمائے آمین۔

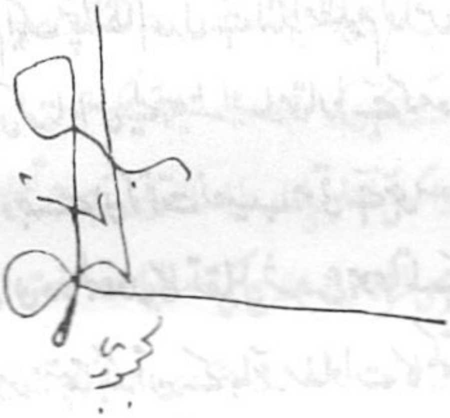

اعلانِ داخلہ

المعراج الیکٹرو ہومیو پیتھی میڈیکل کالج پراسپکٹس فری جوابی لفافہ بھیج کر منگوالیں۔ کورس ڈی۔ای۔ ایچ۔ایم ـــ بی، ای، ایچ، ایم ـــ ڈی، ڈی، ایس، سی ڈاک کورس طلبہ وطالبات داخلہ لے سکتے ہیں۔ دو طریقے اپنائے ہیں (۱) ریگولر کلاسز (۲) بذریعہ خط وکتابت۔ تعلیم بذریعہ ڈاک

پتہ: المعراج الیکٹرو ہومیو پیتھی میڈیکل کالج کریم پارک نزد ایجنسی پیپسی کولا لاہور۔ المعراج فری ہسپتال کریم پارک نزد ایجنسی پیپسی کولا لاہور

نوٹ: وفاق المدارس کے فارغ التحصیل علماء بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔

مولای صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رحمہ اللہ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۸ سائیڈ بی ۹ اپریل ۱۹۸۲ء

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وّ اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

اما بعد: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُؤْتٰی بِاَنْعَمِ اَھْلِ الدُّنْیَا مِنْ اَھْلِ النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَیُصْبَغُ فِی النَّارِ صَبْغَۃً ثُمَّ یُقَالُ یَا ابْنَ اٰدَمَ ھَلْ رَاَیْتَ خَیْرًا قَطُّ ھَلْ مَرَّ بِکَ نَعِیْمٌ قَطُّ فَیَقُوْلُ لَا وَاللّٰہِ یَارَبِّ وَیُؤْتٰی بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِی الدُّنْیَا مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیُصْبَغُ صَبْغَۃً فِی الْجَنَّۃِ فَیُقَالُ لَہٗ یَا ابْنَ اٰدَمَ ھَلْ رَاَیْتَ بُؤْسًا قَطُّ وَھَلْ مَرَّ بِکَ شِدَّۃٌ قَطُّ فَیَقُوْلُ لَا وَاللّٰہِ یَارَبِّ مَا مَرَّ بِیْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَاَیْتُ شِدَّۃً قَطُّ[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰۲

کے دن دوزخیوں میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دُنیا میں سب سے زیادہ عیش و آرام کی زندگی گزارتا تھا، پھر اُس کو دوزخ میں ایک غوطہ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے ابنِ آدم کیا تُو نے دُنیا میں کبھی راحت و بھلائی دیکھی تھی اور کوئی عیش آرام اُٹھایا تھا؟ وہ دوزخی کہے گا کہ نہیں میرے پروردگار، خدا کی قسم (مجھے کوئی راحت و نعمت نصیب نہیں ہوئی تھی) اسی طرح جنتیوں میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دُنیا میں سب سے زیادہ غم و اَلَم اور مشقت و کلفت برداشت کرنے والا تھا، پھر اُس کو جنّت میں غوطہ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے ابن آدم کیا تو نے دُنیا میں کوئی غم اُٹھایا تھا اور کسی مشقت و کلفت سے دوچار ہُوا تھا؟ وہ جنتی کہے گا کہ نہیں میرے پروردگار خُدا کی قسم مَیں نے (دنیا میں) کبھی کوئی رنج و غم نہیں دیکھا اور کوئی مشقت و کلفت نہیں اُٹھائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یُؤْتیٰ بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً

جس آدمی کو اللہ نے دُنیا میں سب سے زیادہ نعمت دی ہوگی بہت نعمتیں دے رکھی ہوں گی۔ دُنیا میں بڑے آرام سے زندگی گزاری ہو اس کی بڑی عزت کے ساتھ بڑی فرحت کے ساتھ بڑی صحت کے ساتھ بڑے عیش کے ساتھ زندگی گزری ہو۔ دینوی اعتبار سے اس پر انعامات انتہاء کو پہنچے ہوتے ہوں ایسے آدمی کو (آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) لایا جائے گا قیامت کے دن فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً اس کو (العیاذ باللہ، اللہ پناہ میں رکھے) جہنم کی آگ میں ذرا سا رنگا جائے گا۔ یعنی ذرا سا جیسے غوطہ دے دیا جائے (ایسے کیا جائے گا)

ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ اٰدَمَ هَلْ رَاَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ

پھر اس سے پُوچھا جائے گا کہ تجھے کچھ یاد ہے کہ کبھی کہیں نعمت کے دن گزرے ہیں، کبھی آرام کے ساتھ راحت کے دن گزرے ہیں کبھی بڑے دن گزرے ہیں۔ هَلْ رَاَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ، اے اللہ کوئی دن کبھی گزرا ہی نہیں، یعنی یہ تکلیف ایسی ہوگی اس کے لیے کہ وہ سب راحتیں بھول جائے گا اور کہے گا کہ جیسے مَیں نے کبھی کوئی راحت دیکھی ہی نہیں، یہ دینوی زندگی کتنی بھی دراز ہو جائے یُوں لگتا ہے انسان کو کہ ابھی تو یہ بات ہوتی ہے اور پھر ابھی تو مَیں یوں تھا اور ابھی یُوں تھا اور ابھی یہ ہُوا اور ابھی

یہ ہوگیا ابھی ہم اس عمر کو پہنچ گئے اور اب بس جانے والے ہیں۔ وہ ماضی پر نظر ڈالتا ہے تو ذرا سی نظر آتی ہے)
یا تو یہ ہے کہ حقیقت ہی زمانے کی یہ ہے، کیونکہ انسان کی رُوح جو ہے وہ عالَمِ بالا سے آتی ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں عالَمِ بالا میں جو دن کا پیمانہ ہے وہ بہت بڑا ہے۔

اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

ایک ہزار سال جو گنتے ہوں اللہ کے ہاں ایک دن کے برابر ہے۔

یہ جو مُردہ جاتا ہوگا اسے اگر آرام سے بیٹھتے بیٹھتے آدھا گھنٹہ لگ گیا تو یُوں سمجھو کہ اِدھر پچیس سال تیس سال یہاں گزر گئے وہاں آرام کرتے ہوئے سکون سے سانس لیتے ہوئے اسے اگر وقت لگا کچھ تو اسے تو پتا نہیں چلے گا یہاں کچھ کا کچھ گزر چکا ہوگا۔ یہاں پچیس سال گزر چکے ہوں گے تو مہمان جاتا ہے کہیں کسی سے ملتا ہے باتیں کرتا ہے تو اسی میں وقت گزر جاتا ہے تو اب ایک انسان کی اگر سو سال کی زندگی ہوتی ہے تو آخرت کے اعتبار سے وہ سوا دو گھنٹے اڑھائی گھنٹے کے برابر بنے گی وہی لگتا ہے آدمی کو جب ماضی پر نظر ڈالتا ہے تو وہ جو لگتا ہے اسے کہ چھوٹا سا عرصہ ہے یہ اس کو وہ حقیقت نظر آتی ہے اور جس عالم میں ہم چلے جا رہے ہیں یہ سب مجازی اور عارضی ہے اور حقیقت رُوح محسوس کرتی ہے، دماغ محسوس کرتا ہے۔ دل محسوس کرتا ہے اس نے اگر یہ پانچ سو سال یہ آرام کی زندگی گزار لی ہوگی تو وہاں کا تو آدھا دن ہوگا، تو آدھا دن اگر کسی کو آرام سے رہنا مل جاتے تو وہ کیا کہے گا۔ شام ہوتے ہی تکلیف میں مبتلا ہوگیا۔ شام ہوتے ہی دُنیا کی زندگی ختم ہوگئی۔ آخرت سے شروع ہوگی۔ وہ کہے گا کچھ بھی نہیں ہوا مجھے، جیسے کہ کچھ بھی نہیں پھر یہ کہ یہاں کی نعمتیں ہر قسم کی اُسے میسّر ہیں اس کے بعد شدید ترین دَور گزر جاتے تو سب دماغ سے نکل جاتے گا تو ایسے ہی حال اس کا ہوگا اور یہ جہنّم کی آگ العیاذ باللہ شدید ترین چیز ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سب سے زیادہ ہلکا عذاب جہنّم میں جس شخص کو دیا جا رہا ہے، بس اس کا عذاب یہ ہے۔ نَعْلَانِ وَ شِرَاکَانِ مِنْ نَارٍ،۔۔۔۔۔ کہ جہنّم کی آگ کے اس کے تسمے میں اور جہنّم کی آگ کے اس تلے میں ایسا جوتا اُسے پہنا دیا گیا مگر یَغْلِی مِنْھُمَا دِمَاغُہٗ اُن سے اس کا دماغ کھولتا ہے۔ کَمَا یَغْلِی الْمِرْجَلُ جیسے کہ ہنڈیا پکتی ہے اس طرح لیکن لَا یَمُوْتُ وَلَا یَحْیٰی وہاں موت تو ہے نہیں تکلیف اتنی گزرتی ہے کہ موت کئی دفعہ آجائے، مگر ہے نہیں موت وہاں لَا یُرٰی اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْہُ عَذَابًا۔ اگر کوئی اسے دیکھ لے تو یہ کہے گا کہ اس سے سخت عذاب کسی کو نہیں ہو رہا ہے جیسے پھوڑیاں نکل آتی ہیں یا نگل بھیڑ وغیرہ۔ بدن یا بغل میں نکل

آتی ہے۔ کندھاری اسے کہتے ہیں اور تکلیف ہوتی ہے اُسے، راتوں کو آدمی گھومتا پھرتا ہے بے چینی میں کٹتا ہے دماغ میں تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ شدید تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ دل پر اثر ہوتا ہے، دماغ پر اثر ہوتا ہے یہ تو بہت بڑی چیز ہے اور جل بھی رہا ہے اس آگ سے جو یہاں سے بہت تیز آگ ہے۔ یہاں خود درجے ہیں آگ کے ایک یہ ہنڈیا پکاتے ہیں ایک اُپلے کی آگ ہوگی ایک کوئلے کی آگ ہوگی۔ کوئی اُن سے تیز آگ ہوگی حتّٰی کہ ویلڈنگ والی ہوگی جو لوہے کو گلا دیتی ہے۔ بھٹیاں ہیں لوہے کو گلا دیتی ہیں تو یہاں آگ درجہ بدرجہ ہے، مگر وہ یہاں سے بہت تیز آگ ہے، اس کے بارے میں ایسا بھی آیا ہے کہ ایک ہزار گُنی تیز آگ ہے دُنیا کی آگوں سے ہے بھی ایسا دُنیا میں کُرے جو ہیں وہ بھی ایسے ہیں سُورج ہیں کتنی گرمی ہے فلاں جگہ کتنی گرمی ہے۔

الغرض وہ سمجھے گا دیکھنے والا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی کو ہو رہا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَاَهْوَنُ مِنْهُ عَذَابًا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سب سے کم عذاب اس کو ہو رہا ہے سب سے ہلکا عذاب اُسے ہو رہا ہے اسے صرف دو جوتے پہنائے گئے،

ابو طالب کا نام صراحۃً آتا ہے کہ ان کو اس طرح کا عذاب ہے۔ يَغْلِي مِنْهُ الدِّمَاغُ۔ دماغ اُن کا کھول رہا ہے اس سے۔

دوسری طرف فرماتے ہیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم يُؤْتٰى بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا اہلِ جنّت میں سے ایک آدمی کو لایا جائے گا جس نے دُنیا میں شدید تکالیف اُٹھائی ہوں گی۔ اَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا

اور تکالیف طرح طرح کی ہوتی ہیں جسمانی جمع ہو جاتی ہیں۔ دماغی جمع ہو جاتی ہیں، فکر ہوتا ہے کم معاش کی فکر ہو گئی، فقر کی ہو گئی، بہت طرح کی تکالیف ہو جاتی ہیں انسان کو جس میں انسان تنگ آتا رہتا ہے پریشان ہو جاتا ہے، لیکن خدا پر بھروسہ کرنے والوں کا دِل مطمئن رہتا ہے یہ فرق ضرور ہے۔

ذکرِ الٰہی کرنے والوں پر بھی یہ مصیبتیں آتی ہیں اور زیادہ آتی ہیں مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ کسی دُنیادار پر آجائیں تو وہ بہت بڑی بُری باتیں زبان سے نکالتا ہے اور کسی ذکر کرنے والے پر وہ کیفیات آتی ہیں تو وہ خاموشی اختیار کرتا ہے۔ وہ بُری بات زبان سے نہیں نکالتا اور اس کی وجہ ایک یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے دل میں خدا کی یاد کی برکت ہوتی ہے، خیر، اس کو لایا جائے گا۔ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ۔

اسے جنّت کی ذرا سی ہَوا لگا دی جائے گی جیسے اُسے ڈوبہ دے دیا گیا ویسے ہی اِسے ڈوبہ دے دیا جائے گا اُسے رنگ دے دیا جائے گا۔ وہ ایسی فرحت کی چیز ہوگی۔ فَیُقَالُ لَہٗ یَا ابْنَ اٰدَمَ ھَلْ رَاَیْتَ بُؤْسًا قَطُّ کبھی تمہیں ایسی حالت گزری ہے کہ مشقّت ہو، شدید ضرورتیں حاجتیں درپیش ہوں اور حل نہ ہو رہی ہوں بہت پریشانی کی کیفیّت کبھی گزری ہے تمہارے اُوپر؟

وَھَلْ مَرَّبِكَ شِدَّۃٌ قَطُّ فَیَقُوْلُ لَا وَاللّٰہِ یَارَبِّ مَا مَرَّبِیْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَاَیْتُ شِدَّۃً قَطُّ نہ میں نے کبھی کوئی شدّت دیکھی اور نہ کبھی میرے اُوپر بدحالی آئی، کوئی بھی بات ان میں سے نہیں ہے۔ بہت ہی خوش رہا ہوں وہ زمانہ جو تکالیف کا ہے۔ وہ نسیًا منسیا ہوگیا، جیسے کہ ہوا ہی کچھ نہیں جیسے کہ اُس کا حال تھا۔ دوسرے کا تو اُس کا نعمتوں کا جو زمانہ تھا وہ نسیًا منسیا ہوگیا۔ اِسی طرح سے یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں راحتیں بھی ہیں اور اُس کے یہاں گرفت بھی ہے عذاب بھی ہے۔

اور مُسلمان کو دونوں چیزیں بتلائی گئی ہیں یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اس کی رحمت کی اُمّید رکھتے ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ رحمت مقدم ہوتی ہے اور اس کی اُمّید رکھنی فرض قرار دی گئی اور اس کی رحمت سے مایُوس ہونا کُفر قرار دیا گیا، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی معاذ اللہ توہین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی اُمّید رکھنی ہی ٹھیک ہے کیونکہ اللہ بہت بڑا ہے تو اس سے اچھی اُمّید رکھنی چاہیے۔ مایوس ہوگا اس سے تو ایک طرح سے توہین کر رہا ہے جو اس خیر کی توقع تھی اُس سے گویا وہ خیر کی توقع نہیں رکھ رہا، اپنے رَبّ سے خیر کی توقع نہ رکھنا تو ایسے ہے جیسے اپنے دوست سے نہ رکھنا ایسے ہے جیسے اپنی بہن سے نہ رکھنا جیسے اپنے باپ سے نہ رکھنا اس سے بھی زیادہ یہ ہے کہ اپنے رَبّ سے نہ رکھے توقع خیر کی تو اس کو کفر قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ اپنی رضا سے نوازے فضل فرمائے۔

قسط : ۴۴

مقاصدِ بعثت فرائضِ نبوّت اور تکمیل

دُعا اور قبولیّتِ دعا

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمّد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف سیرۃ مبارکہ محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اوراق

تزکیہ کا عجیب وغریب طریقہ

مرض کے علاج کی یہ صُورت بھی ہو سکتی ہے کہ کسی مقوی خمیرہ سے بدن کی اصل طاقت کو بڑھا دیا جائے تو قوّتِ غریزہ مرض کو دُور کر دے گی۔

شراب جو عرب کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اس کے انسداد کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔

وحیِ الٰہی ناطق ہُوئی۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (سورۃ ۴ نساء آیت ۴۳)

مسلمانو! (ایسا نہ کرو کہ تم نشہ کی حالت میں ہو اور نماز پڑھنی شروع کر دو) نشہ کی حالت میں تو نماز کے پاس بھی نہ جاؤ (نماز کے لیے ضروری ہے کہ) تم اسی حالت میں ہو کہ جو کچھ زبان سے کہو ٹھیک طور پر اُسے سمجھتے ہو۔

یہ ارشادِ ربّانی خمیرہ مقوی تھا۔ نماز اور اپنے خالق کی بارگاہ میں سرنیاز خم کرنے کی عادت ہو چکی تھی۔ شوقِ نماز نے شوقِ نشہ کو کافور کر دیا۔ شراب سے وحشت ہونے لگی۔ محفل میں دَور اَب بھی چلتا تھا مگر دِلوں کا سرور ختم ہو چکا تھا۔ اچانک حُرمتِ شراب کا اعلان ہوگیا تو نہ شراب باقی رہی نہ محفلِ شراب۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح حضرت ابی بن کعب حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر کی مجلس تھی۔ شراب کا دَور چل رہا تھا۔ ساقی میں خود تھا۔ عمر میں بھی

سب سے کم تھا۔ منادی کی آواز کانوں میں پڑی۔ مجھ سے کہا گیا باہر نکل کر دیکھو۔ آواز کیسی ہے۔ میں نے آواز سُنی اور آکر کہا۔ اعلان ہو رہا ہے الا ان الخمر قد حرمت (آگاہ ہو جاؤ۔ شراب حرام کر دی گئی ہے) میزبانِ محفل صاحب خانہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا "جاؤ مٹکے اُنڈھا دو" میں نے تعمیل کی۔ اب پورے مدینہ کی حالت یہ تھی کہ شراب گلیوں میں بہہ رہی تھی جیسے ہی اعلان کانوں میں پڑا مٹکے اوندھے کر دیے گئے۔ کسی نے اس تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ اعلان کون کر رہا ہے۔ کس بناء پر کر رہا ہے[1]

تزکیہ کا عجیب و غریب نمونہ جینا وبالِ جان

ایک مومن کامل سے زنا سرزد ہو گیا۔ دوسرے موقع پر یہی حرکت ایک مومنہ سے بھی سرزد ہو گئی۔ تلافی کا ایک راستہ یہ بھی تھا کہ پُورے اخلاص کے ساتھ توبہ کر لیتے، نا اُمیدی کی کوئی وجہ نہیں تھی جب کہ ارشادِ ربّانی کا سہارا موجود تھا۔

یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا	اے میرے بندو، جنہوں نے زیادتی کی اپنے اُوپر (گناہ کیے) نا اُمید مت ہو اللہ کی رحمت سے۔ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے۔
سورۃ ۳۹ الزمر آیت ۵۳	

مگر آئینہ کو مانجھنے سے بہتر یہی ہے کہ آئینہ ہی کو توڑ دیا جائے۔ وہ آئینہ ہی کیا جس پر دھبہ پڑ گیا۔ غور فرمائیے اس سے زیادہ تزکیہ کیا ہو سکتا ہے کہ خود اپنی جان وبال ہونے لگے یہ صاحب اُن کا نام ماعز تھا ابن مالک۔ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے۔ فریاد کر رہے تھے۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِیْ	یارسول اللہ مجھے پاک کر دیجیے۔

ارشاد ہوا

ویحك ارجع فاستغفر اللّٰه و تب الیه	بندۂ خدا۔ جاؤ۔ استغفار کرو توبہ کر لو۔

یہ ارشاد سُن کر کچھ چلے، مگر دلِ مضطر کا اضطراب ختم نہیں ہوا۔ پھر لوٹ کر آئے فریاد کرتے

---

[1] بخاری شریف ص ۶۶۴ و ص ۸۳ [2] مسلم شریف ص ۶۷ ج ۲۔

ہوئے آئے۔

یا رسولَ اللہِ طھرنی۔ یارسول اللہ مجھے پاک کردیجیے۔

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پھر واپس کردیا۔ تین مرتبہ اسی طرح ان کو واپس کیا، مگر اُن کے اضطراب نے ہر مرتبہ اُنھیں لوٹنے پر مجبور کیا۔ تب چوتھی مرتبہ فرمایا۔ کس ناپاکی سے پاک کردوں۔ عرض کیا یارسُول اللہ میں نے زنا کیا ہے[1]۔ پھر آپ نے باقاعدہ چار مرتبہ اقرار کیا۔ اس کے بعد رجم کا حکم صادر کیا گیا چنانچہ ان کو سنگسار کردیا گیا۔ مگر یہ جو پاک ہونے کے لیے مضطرب تھے۔ اب اُن کی پاکی ملاحظہ فرمایئے انھیں ماعزؓ کے متعلّق آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بشارت دی کہ ایسی توبہ ہے کہ اگر پُوری اُمّت پر بانٹ دی جائے تو سب کے لیے کافی ہو جائے[2]۔

تزکیہ: جو بعثتِ مُبارکہ کا اہم مقصد تھا اس کو کس طرح عمل کے پیرایہ میں جلوہ گر فرمایا۔ اس کی وضاحت کے لیے چند مثالیں کافی ہیں۔ ان سے یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ یہ مقصد کس درجہ ہمہ گیر ہے۔

---

[1] آپ نے یہ بھی فرمایا۔ تمہیں جنون تو نہیں ہوگیا ہے۔ تمہیں شراب کا نشہ تو نہیں ہے۔ حضرت ماعزؓ نے انکار کیا اور اپنے اعتراف پر قائم اور پاک کرنے کے لیے اصرار کرتے رہے۔ حضرت ماعزؓ پھر بھی مرد تھے۔ ان سے زیادہ حیرت انگیز اور سبق آموز واقعہ قبیلہ غامد کی ایک خاتون کا ہے اس نے آکر اسی طرح اعتراف کیا اور یہی اصرار کیا۔ طھرنی۔ مجھے پاک کردیجیے۔ یہ حاملہ تھی۔ آپ نے فرمایا۔ پہلے ولادت سے فارغ ہو لو۔ جب بچّہ ہوگیا تو پھر آئی اور اصرار کیا۔ طھرنی۔ مجھے پاک کردیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی بچّہ کو دُودھ پلاؤ۔ دُودھ چھوٹنے کے بعد پھر آئی۔ بچّہ گود میں اور اُس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا۔ اور یہی اصرار کہ مجھے پاک کردیجیے فرمایا بچّہ کا ذمہ دار کون ہوگا۔ ایک انصاری نے بچّہ کا ذمہ لیا تب اس کو رجم کیا گیا۔ (مسلم شریف ص ۶۸/۲) حیرت انگیز اور قابلِ قدر یہ ہے کہ یہ معاملہ خود اس کے اقرار پر تھا، شہادتوں سے اس کا ثبوت نہیں ہوا تھا تو جس مرحلہ پر بھی اعتراف کرنے والا مجرم اپنے جرم کا انکار کردے اس پر حد نہیں جاری ہوگی۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ سوال کرکے کہ تمہیں جنون تو نہیں ہوگیا تم نے نشہ تو نہیں پی رکھا۔ باربار موقع دیا کہ وہ کسی طرح اپنے جرم کا انکار کردے۔ اس خاتون کو ولادت پھر دُودھ پلانے تک کی مہلت دے کر انکار کر دینے کا موقع دیا، مگر حیرت ہوتی ہے۔ ان کا ایمان اور اپنے ناپاک ہوجانے کا یقین اتنا مضبوط تھا کہ کسی صورت سے بھی اس میں جنبش نہیں ہوتی اور جس طرح پہلے اعتراف کے وقت اپنی زندگی کو وبالِ جان سمجھ رہے تھے۔ آخر تک وہ ان کو وبال ہی معلوم ہوتی رہی، مگر اس ایمانِ محکم کا یہ نتیجہ تھا کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جس طرح حضرت ماعز رضی اللہ

←

اس کتاب میں یا کسی ایک کتاب میں اس کے تمام شعبے بیان نہیں کیے جاسکتے۔ لہٰذا یہ کوشش لاحاصل ہے، البتہ اتنی تفصیل بیان کر دینی ضروری ہے۔ جس سے شب و روز کی زندگی میں تزکیہ کا نقشہ اور تزکیہ والے کی ایک تصویر سامنے آجائے۔

رات دن میں جو کام انسان عادۃً کرتا ہے اور سونے جاگنے، کھانے پینے۔ اُٹھنے بیٹھنے میں جو حالات سامنے آتے رہتے ہیں اور گزارتے رہتے ہیں۔ ان کے آداب کیا ہیں، جن کی آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تعلیم فرمائی اور بندہ اور اس کے خالق کے تعلّق کو کس طرح نمایاں فرمایا۔

آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمایئے اور یہ بھی خیال فرمایئے کہ یہ محض زبانی تعلیمات نہیں ہیں بلکہ رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اعمال اور معمولات ہیں جن سے تعلیمات اخذ کی گئی ہیں۔

شب و روز کے حالات و معمولات کا تزکیہ (سنوار)

اسلامی تہذیب کے بُنیادی اُصول، آداب اور دُعائیں، عمل اور تعلیم

پاک زندگی کیسی ہوتی ہے

بُنیادی اُصول ارشادِ ربّانی ہے

① فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ سورۃ ۲ بقرہ آیت ۱۵۲

بس تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو۔

(شاہ عبدالقادرؒ)

② لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔

(سورۃ ۱۴ ابراہیم آیت ۷)

اگر حق مانو گے تو اور دوں گا اور ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے (شاہ صاحبؒ)

⟵ عنہ کی توبہ کی تعریف کی تھی اس خاتون کے متعلّق بھی فرمایا کہ ایسی توبہ کی ہے کہ بڑے سے بڑا ظالم بھی ایسی توبہ کرے تو بخشا جائے۔ ۲؎ مسلم شریف، ص۶۸ ج: ۲۔

(۳) اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (سورۃ ۳۳ احزاب آیت ۴۱ و ۴۲)

یاد کرو اللہ کو بہت سی یاد۔ اور پاکی بولو اس کی صبح و شام (ایضًا)

(۴) فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ

(سورۃ ۴ نساء آیت: ۱۰۳)

جب نماز ادا کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے بیٹھے۔ اور پڑے۔

(۵) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (سورۃ ۷ الاعراف آیت: ۲۰۵)

اور یاد کرو اپنے رب کو دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور زبان سے بھی آہستہ آہستہ بغیر پکارے اور ایسا نہ کرنا کہ غافلوں میں سے ہو جاؤ۔

(۶) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۔ (سورۃ ۴۷ محمد آیت ۱۲)

اور وہ جو کافر ہیں عیش کرتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان لوگوں کا ٹھکانا ہے۔

(۷) وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ (سورۃ ۱۷ اسراء آیت ۱۵)

اور جب کسی بستی کی تباہی آتی ہوتی ہے تو (اس کی ترتیب یہ ہوتی ہے) اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں (نبی کے ذریعہ اُن پر احکام شریعت نازل کرتے ہیں) پھر وہ بجائے اس کے کہ تعمیل کریں۔ نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں (فسق و فجور کرنے لگتے ہیں) بس اُن پر عذاب کی بات (بربادی کا قدرتی قانون) ثابت ہو جاتی ہے اور پاداشِ عمل میں، ان کو برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبق المفرِدون[1]۔ سبقت لے گئے المفردون[2]۔

---

[1] مسلم شریف ص ۳۴۱، ج ۲ - [2] لغت کے لحاظ سے معنی ہیں الگ الگ ہوجانے والے یکسو ہوجانے والے۔

صحابہ کرام ــــــ یارسول اللہ المفردون کون؟

ارشاد ہوا اَلذّاکِرونَ اللہَ کثیرًا والذاکرات وہ مرد اور عورتیں جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتی ہیں۔

آیاتِ بالا اور حدیث ان اصول کے تعلیم دے رہی ہیں جن پر اسلام کی کامل و مکمل تہذیب کی بنیاد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عمل اور تعلیم سے رکھی ہے۔

مثبت ــــــ ذکر اللہ۔ شکر۔ تسبیح۔ تکبیر۔ عاجزی۔ خوفِ خدا۔

منفی ــــــ جو ناشکری[1] سے پاک ہو۔ اَلْانعام یعنی مویشی (ڈھوروں اور ڈنگروں) کی مشابہت جس کو حدیث میں شیطانی عمل کہا گیا ہے۔ اس میں نہ ہو۔ اور اس[1] میں تعیش (عیش پرستانہ اور شاہانہ انداز) نہ ہو۔ یعنی اس میں سادگی ہو۔ سنجیدگی ہو اور کفایت شعاری ہو۔

ان اصولوں کو سامنے رکھیے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے عمل اور آپ کی تعلیمات ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔

دلیلِ صداقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا عمل سامنے آئے تو یہ بھی غور فرمایئے کہ کیا ایسا شخص (معاذ اللہ) جھوٹا ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی خیال فرمایئے کہ تعلیم سے زیادہ عمل ہے جو تلاوت آیات اللہ کی تشریح کرتا ہے۔

ذکر اللہ حضرت[2] عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی اس درخواست کے جواب میں (کہ کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جس کا میں پابند رہوں) ارشاد ہوا۔

لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللہِ　　تمہاری زبان ہر وقت یاد خدا میں تر رہنی چاہیے

---

[1] یہ جشن، جلوس، باجے اور گانے جو دوسری تہذیبوں کے لوازم ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان کے مذہب کی تعلیمات بھی ہیں۔ اسلامی تہذیب کے مزاج کے خلاف اور اسلامی تعلیمات کے لیے ناقابلِ برداشت ہیں۔ اسی لیے ان کو حرام قرار دیا گیا۔ انتہا یہ کہ حالات جنگ میں جہاں شوکت و حشمت کا اظہار ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بطراو ریاء کی وہاں بھی اجازت نہیں ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر کفار قریش بڑی شان کے ساتھ اپنی طاقت پر گھمنڈ کرتے ہوئے مکہ سے روانہ ہوئے تھے۔ حضرت حق جل مجدہ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے۔ ولا تکونوا کالّذین خرجوا من دیارِھم بطرًا و رِئَآءَ النّاس (سورۃ ۸ الانفال آیت ۴۷) (ترجمہ) اور ان جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کی نظر میں نمائش کرتے ہوئے نکلے۔

[2] مشکوٰۃ شریف۔ مسند امام احمد بن حنبل۔

علماء نے اس کی تشریح یہ بھی فرمائی ہے کہ جس وقت اور جس حالت کے لیے جو دعا احادیث میں وارد ہُوئی ہے وہ اس موقع پر پڑھی جائے، مگر یہ ذکر اللہ کا ہلکا درجہ ہے۔ آیاتِ بالا میں ہدایت ہے کہ ذکر کثرت سے کرو۔ کھڑے۔ بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں بھی اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ (آیت نمبر۴)

ذکر ہلکی آواز سے ہو اور دِل سے بھی ہو[1]۔ غفلت[2] کسی وقت نہ ہو (آیت نمبر۵)

ان آیات کا تقاضا صرف اُن دعاؤں کے پڑھ لینے سے پُورا نہیں ہوتا۔ جو مختلف حالات کے متعلق احادیث میں وارد ہُوئی ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، کیونکہ آیات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی یاد زیادہ سے زیادہ اور ہر حالت میں ہو۔

سیّد الانبیاء رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان یہاں بھی نرالی ہے اور وہ تمام اوراد و وظائف جو حضرات علماء کرام اور مختلف سلسلوں کے مشائخ طریقت کی تعلیمات میں رائج ہیں ان سب کا مصدر و ماخذ وہ سینۂ مُبارک ہے جو گنجینہ اسرار و معارف تھا۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

صرف استغفار کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم گن لیا کرتے تھے کہ ایک ہی مجلس میں آپ کی زبان مُبارک سے سو مرتبہ یہ کلمات صادر ہوجایا کرتے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

اے میرے رب میری مغفرت فرما۔ اور مجھ پر نظرِ عنایت فرما۔ بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحمت والا ہے۔

یہ زبانِ مُبارک کا ذکر تھا اور قلبِ مبارک کی شان یہ تھی کہ وہ حالتِ خواب میں بھی بیدار رہتا تھا اور حضرت حق کی طرف اتنا متوجّہ کہ آپ کی رویا (خواب) بھی وحی[3] ہوتی تھی۔ گہرے مراقبہ میں قلب زیادہ سے زیادہ متوجّہ رہتا ہے اور اعضاء بے حس و حرکت۔ تقریباً یہی شان ہوتی تھی جب چشمِ نیم باز محوِ خواب ہوتی تھی۔ اِنَّ عینیّ تنامان ولا ینام قلبی۔ بخاری شریف ص۱۵۲

---

[1] حضراتِ مشائخِ طریقت رحمہم اللہ ذکر کی مختلف صورتیں بتاتے ہیں۔ ذکر بالجہر۔ ذکر خفی۔ ذکر اخفیٰ وغیرہ پاس انفاس، مراقبہ وغیرہ ان کا ماخذ اسی طرح کی آیتیں ہیں۔ [2] قلب میں ذکر اللہ جاری اور مراقبہ قائم رہے [3] بخاری شریف، ص۲۵

مدینے کا ذکر

دِل مضطرب ہو جب تُو مدینے کا ذکر کر
تسکین کا ہے سبب تُو مدینے کا ذکر کر

لاکھوں ہی غم ہوں کیوں نہ ترے دِل میں جاگزیں
مِٹ جائیں گے یہ سب تُو مدینے کا ذکر کر

باتیں ہزار کیں کہ مرے دِل کو ہو سکوں
دِل کی ہے اِک طلب، تُو مدینے کا ذکر کر

چاہے اگر کہ تجھ کو عجم میں بھی ہو نصیب
لُطفِ شہِ عرب ﷺ، تُو مدینے کا ذکر کر

سب ہیچ اس کے آگے ہیں دُنیا کی لذتیں
لذّت ہے یہ عجب تُو مدینے کا ذکر کر

دیکھا کسی کے ذکر میں تیرا نہ دِل لگا
بہتر یہی ہے اب تُو مدینے کا ذکر کر

سود و زیاں کی فکر تو ہوتی ہے ہوش میں
چاہوں میں ہوش کب، تُو مدینے کا ذکر کر

غم کی یہ شب طویل اگر ہے تو غم نہ کر
کٹ جائے گی یہ شب تُو مدینے کا ذکر کر

اے دوست چاہتا ہے تُو سلمانؔ کی خوشی
خوش رکھے تجھ کو رب تو مدینے کا ذکر کر

○

سلمان گیلانی

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مدظلہم

حیلے اور بہانے

حامداً و مصلیاً

بے عملی کے حیلے اور بہانے لوگوں میں بہت مشہور ہیں جن کا احصار و استقصار بہت مشکل ہے تاہم جو حیلے اور بہانے لوگوں سے سُن کر ذہن میں آتے چلے گئے اُن کو سُپردِ قلم کر دیا ہے اور اندازہ ہے کہ عموماً بے عملی کے لیے جو حیلے تراشے جاتے ہیں وہ حیطۂ تحریر میں آگئے ہیں۔ وباللہ التوفیق

بے عملی کے لیے تقدیر کو بہانہ بنانے والوں کی تردید

(۱) بہت سے لوگ بے عملی کے لیے تقدیر کو بہانہ بناتے ہیں، جب ان سے نماز روزہ اور دیگر احکامِ اسلامیہ پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ تقدیر میں جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا، عمل سے کیا ہوتا ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اجی ہماری تقدیر میں نماز پڑھنا یا اور کوئی نیک عمل کرنا لکھا ہی نہیں، اگر لکھا ہوتا تو ہم ضرور عمل کرتے۔

ان لوگوں کی یہ باتیں کئی اعتبار سے غلط ہیں

اوّل: اس لیے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر پر ایمان لانے کو فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تقدیر حق ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ احکامِ شریعت کی پابندی کرتے رہو اور گناہوں سے بچتے رہو، اور جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان کو کرتے رہو، اگر تقدیر پر ایمان لانے کا حکم اس لیے دیا جاتا کہ عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرنے کا حکم کیوں فرماتے اور تفصیل کے ساتھ احکامِ شریعت کیوں بتاتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تقدیر تو مان لی اور احکام پر عمل کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کو نہ ماننا یہ کون سی ایمان داری اور سمجھ داری ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی یہ سوال اُٹھایا تھا کہ تقدیر میں جب سب کچھ ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے اور یہ بھی سوال کیا کہ ہم تقدیر پر بھروسہ کر کے

کیوں نہ بیٹھ جائیں۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب میں فرمایا:

اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ،[۱] عمل کرتے رہو، پس ہر شخص کے لیے اسی کی راہیں آسان ہوتی رہیں گی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۰، از بخاری، مسلم)

تقدیر اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے اور اس نے اپنے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ احکام پر عمل کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے، بندہ کا کام یہ ہے کہ تقدیر پر بھی ایمان رکھے اور عمل بھی کرے، تقدیر کو بہانہ بنا کر عمل نہ کرنا کٹ حجتی بھی ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ پہ اعتراض بھی ہے۔ وہ تو فرما رہے ہیں کہ تقدیر پر ایمان لاؤ اور عمل بھی کرو، اور عمل سے جان چرانے والے بہانہ باز یہ کہہ رہے ہیں کہ تقدیر ہوتے ہوئے عمل کی ضرورت نہیں استغفر اللہ یہ تو اللہ و رسولؐ کا جھٹلانا ہوا۔

دوم: تقدیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کی وجہ سے کسی کا اختیار نہیں چھینا گیا، ہر شخص کو اختیار حاصل ہے نیکی بھی کر سکتا ہے گناہ بھی کر سکتا ہے، تقدیر کی وجہ سے اختیار سلب نہیں ہوا۔ آخرت کا عذاب و ثواب اسی اختیار سے متعلق ہے، بندوں کو احکم الحاکمین کے حکم اور اس کے عطا کردہ اختیار پر نظر رکھنا لازم ہے حکم کی خلاف ورزی بھی کرے اور تقدیر کو بہانہ بنا کر اپنے کو بے قصور بھی سمجھے یہ جہالت اور حماقت ہے اندیشہ ہے کہ ایسی باتوں کی وجہ سے توبہ کی توفیق بھی نہ ہو۔

سوم: تقدیر کا بہانہ شریعت کی خلاف ورزی کے لیے تراشا جاتا ہے فرائض و واجبات ترک کرنے کے لیے بہانہ بازوں کو شیطان تقدیر یاد دلاتا ہے لیکن دُنیا کمانے کے لیے سب دوڑ دھوپ میں لگے ہوتے ہیں، حالانکہ رزق بھی مقدر ہے۔ رزق کے سلسلہ میں تقدیر پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھتے، نماز روزہ اور دیگر فرائض ترک کرنے کے لیے تقدیر کو بہانہ بنا لیتے ہیں۔ یہ سراسر خود فریبی ہے۔ ھداھم اللہ

(۲) اس کا جواب کہ کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں

بہت سے لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ شریعت پر چلو، خداوند قدوس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو تو جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم بھی چلیں؟

یہ بہانہ بھی عجیب جاہلانہ ہے۔ اگر ساری دُنیا بھی شریعت کے خلاف چلنے لگے۔ تب بھی کسی کے لیے شریعت کی خلاف ورزی جائز نہیں ہو جاتی۔ ہر شخص ذاتی طور پر اپنے متعلقہ احکام کا خود مخاطب ہے کوئی دوسرا عمل

کرے یا نہ کرے اور ہر آدمی پر اپنی ذاتی ذمہ داری پُوری کرنا لازم ہے، کیا میدانِ حشر میں یہ بہانہ کام دے سکتا ہے کہ دوسروں نے شریعت پر عمل نہیں کیا تو مَیں نے بھی نہیں کیا اگر دوسرے لوگ عذاب میں جانے کے لیے تیار ہوں تو ان کی حرص کرکے اپنی جان کو عذاب میں جھونکنا کونسی سمجھ داری کی بات ہے ؟ یہ کہنا کہ سب عذاب بھگتیں گے تو میں بھی اُن کے ساتھ بھگت لوں گا، جہالت اور حماقت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ہ[1]

(ترجمہ) اور جبکہ تم کُفر کرچکے ہو تو آج یہ بات تمہارے کام نہ آوے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔

دوزخ کی آگ کی گرمی۔

اصل بات یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا یا تو علم نہیں ہے یا یقین نہیں، وہاں کے عذاب کی کس کو سہار ہے جس دوزخ کی آگ دُنیا والی آگ سے اُنہتر ۶۹[2] درجہ زیادہ گرم ہے۔ اس میں داخل ہونے کے بعد جو عذاب ہوگا، دوسروں کو دوزخ کی آگ میں جلتا دیکھ کر اس میں کوئی تخفیف نہ ہوگی، پھر دوسروں کی حرص کرکے دوزخ میں جانا اپنی جان پر ظلم نہیں تو کیا ہے ؟ جن دُنیاوی کاموں میں نقصان اور ضرر اور ہلاکت و بربادی ہو، ان میں کوئی بھی حرص نہیں کرتا، دُنیا کے بارے میں بہت زیادہ مثل مشہور ہے کہ لوگ کنوئیں میں گریں گے تو کیا تم بھی کروگے ؟ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دُکھ تکلیف و ہلاکت و بربادی میں حرص کرنا حماقت اور بے وقوفی ہے۔ جب دُنیا کے حقیر نقصان میں کسی کی حرص گوارا نہیں تو آخرت کے سخت عذاب میں جانے کی حرص کون سی سمجھ داری ہُوئی ؟ دُنیا میں ہزاروں بدمعاش، غنڈے، چور اور ڈاکو ہیں۔ کچہری میں جاکر دیکھو، بیڑیاں پڑی ہُوئی اور مُشکیں بندھی ہُوئی ملیں گے، اُن کو دیکھ کر کسی کو بھی خواہش نہیں ہوتی ہے کہ میں ایسا ہی ہوجاتا، ٹی بی کے مریض پر کوئی رشک نہیں کرتا، دِل کے مریض سے کوئی حسد نہیں کرتا، اندھوں کی جماعت میں کوئی شامل ہونے کو تیار نہیں۔ دُنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی کتنی اہمیت ہے اور آخرت کے دردناک عذاب کی ذرا بھی پروا نہیں، دوسرے بے عمل لوگوں کے ساتھ عذاب میں مُبتلا ہونے کو تیار ہیں اور گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں، فاللّٰہ یھدیھم سبیل الرشاد۔

---

[1] سورۂ زخرف ع ۴

[2] فضلت علیھن بتسعۃ وستین جزء کلھن مثل حرھا (متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح ص۵۰۲

③ اللہ نکتہ نواز ہے مگر عزیز ذو انتقام بھی ہے

بہت سے لوگ اپنی بے عملی کے لیے بطور بہانہ یُوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے وہ بڑا غفور رحیم ہے یُوں ہی بخش دے گا، اس میں کیا شک ہے کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے اس سے بڑھ کر کوئی داتا نہیں اور اُس کی مغفرت اور رحمت بہت بڑی ہے، لیکن وہ صرف غفور رحیم ہی نہیں جبّار و قہار بھی ہے۔ عزیز ذو انتقام بھی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ؀[1] (بلاشبہ تیرا رب بڑی مغفرت والا ہے اور بڑے دردناک عذاب والا ہے) اس کی کیا دلیل ہے کہ تمہارے ساتھ مغفرت کا ہی معاملہ ہوگا، اگر گرفت کا معاملہ فرما لیا اور دوزخ میں داخل فرما دیا تو کیا ہوگا؟ سمجھ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مغفرت اور رحمت پر بھی نظر رکھی جائے اور اس کی گرفت اور عذاب سے بھی ڈرتے رہیں، حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسّلام اور اولیاء اُمت کا یہ ہی طریقہ رہا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد انبیائے کرام علیہم الصّلاۃ والسّلام کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ؀[2]

بے شک یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور اُمّید و بیم کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

اور ارشاد فرمایا ہے۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[3] (ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے ربّ کو اُمّید سے اور خوف سے پُکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ سے اُمّید رکھنا تو جزوِ ایمان ہے اور بہت بڑی چیز ہے، لیکن اُمّید کے ساتھ خوف ہونا بھی ضروری ہے، دونوں کے ساتھ ساتھ ہونے سے ہی مومن بندہ کی زندگی ٹھیک رہتی ہے، اُمّید ہو اور خوف نہ ہو، یہ نڈر آدمیوں کا طریقہ ہے جس کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے کہ

أَفَأَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا   کیا اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے فکر ہو گئے

---

[1] سورۃ حم سجدہ ع ۵ [2] سورۃ الانبیاء ع ۶ [3] سورہ الم سجدہ ع ۲

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ ؁ خدائے تعالیٰ کی پکڑ سے وہی لوگ بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت ہی آگئی ہو۔

اُمید اور خوف دونوں کی ضرورت ہے۔

جو حضرات سچّے مؤمن ہیں اور ایمان کے تقاضوں سے واقف ہیں وہ گناہ کر کے تو کیا نڈر ہوتے، وہ تو نیکیاں کر کے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہوں اپنی نیتوں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ عمل صحیح ہُوا یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہو بھی گیا تو قبول ہو گا یا نہیں؟

جن صحابہ کو جنّت کی بشارت دے دی گئی ان کا طرزِ عمل

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جن صحابہؓ کو دُنیا ہی میں جنّتی ہونے کی بشارت دے دی تھی وہ ہمیشہ ڈرتے رہے اُنھوں نے کبھی گناہ کرنے کی جرأت نہ کی اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے میں مشغول رہے، پھر جن لوگوں سے بلا عذاب کی بخشش کا کوئی وعدہ نہیں وہ کیسے گناہوں پر جرأت کرتے ہیں۔ پھر جو لوگ یُوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے اس کے ساتھ اپنی زندگی کو بھی تو دیکھیں اور غور کریں کہ ہمارے اعمال میں وہ کونسا عمل ہے جس پر نوازش ہو جائے گی اگر غور کریں گے اور اپنے ظاہر و باطن اور اخلاص کا جائزہ لیں گے تو کوئی عمل بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس کے بارے میں یہ کہہ سکیں کہ یہ مغفرت اور نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے اسی میں خیر ہے کہ نیک عمل کرتے رہیں اور گناہوں سے بچتے رہیں، اُمید بھی رکھیں اور ڈرتے بھی رہیں۔ اُمید اور خوف دونوں ہی مؤمن کی زندگی کے پہیئے ہیں۔

④ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب نیک ہو جائیں تو خدا کی خُدائی کس کام آئے گی

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شریعت پر عمل کرنے سے جان چراتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسلام کے حکموں کو مانو اور ان پر عمل کرو اور گناہوں سے باز آؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ اگر سب نیک ہو جائیں تو خُدا کی خدائی کس کام آئے گی۔ (العیاذ باللہ) یہ بڑی جاہلانہ بات ہے جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالیہ پر اعتراض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ غفور رحیم بھی ہے پھر ہمیں آزادی ہونی چاہیے

؁ سورۂ اعراف ع ۱۲

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

بنت مولانا محمد یعقوب صاحب
ناظم جامعہ مدنیہ لاہور

امانت

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین ۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِی القُرآنِ المجید وَالْفُرْقَانِ الحَمِیْد

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا

بے شک حکم دیتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ یہ کہ تم ادا کرو امانتیں ان کے اہل کی طرف۔

عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ امانت صرف یہ ہے کہ کسی کے پاس کچھ سامان یا روپیہ پیسہ حفاظت کی خاطر رکھوا دیا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم صرف اس بات کو امانت کہیں تو امانت کا مفہوم انتہائی محدود ہو کر رہ جائے گا۔ جبکہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس بات پر غور فرمائیں کہ قرآن مجید نے واحد کا صیغہ یعنی " امانۃ " استعمال نہیں کیا۔ بلکہ جمع کا صیغہ " اَمَانَاتٌ استعمال کیا ہے۔ اس لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امانتیں کئی قسم کی ہیں اور صرف وہ چیز امانت نہیں ہے جسے ہم نے امانت سمجھ رکھا ہے بلکہ ہر وہ چیز امانت ہے جس کے ساتھ کسی کا حق متعلق ہو اور جس کی حفاظت اور مالک کی طرف ادائیگی لازم ہو۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ:

عالم کے پاس علم امانت ہے۔ متولی اور مہتمم کے پاس مسجد اور مدرسہ امانت ہے، افسروں اور عہدیداروں کے پاس عہدہ اور منصب امانت ہے، صاحبِ ثروت کے پاس مال و دولت امانت ہے۔ ہر انسان کے پاس اس کی جان امانت ہے، ہماری زندگی بلکہ زندگی کا ہر ہر لمحہ امانت ہے، انسان کہتا تو یہی ہے کہ سب کچھ میرا ہے لیکن حقیقت میں تو اس کا کچھ بھی نہیں ہے۔ انسان تو صرف متولی ہے، نگران ہے، محافظ ہے، امین ہے، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور اسی کی امانت ہے۔

جان ایک امانت ہے انسان کو سب سے زیادہ گھمنڈ اپنی جان پر ہے، اپنی شنوائی اور بینائی پر ہے اپنی

عقل اور قوّتِ گویائی پر ہے لیکن یہ سب کچھ بھی اس کا نہیں ہے۔ اسی لیے انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے، نہ اسے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو زخمی کرے، یا اپنے اعضاء کاٹے بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خودکشی ہے اور خودکشی کرنا اسلام کی نظر میں ناقابلِ معافی جرم ہے۔ خودکشی کرنے والے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"جس نے اپنی جان کو ہلاک کیا قیامت میں اس کو عذاب دیا جائے گا۔ جس طرح اپنی جان کو ہلاک کیا اسی طرح دوزخ میں اپنے آپ کو ہلاک کرتا رہے گا جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرایا وہ پہاڑ سے گرایا جاتا رہے گا۔ اور جس نے زہر پیا وہ زہر پلایا جاتا رہے گا، اور جس نے اپنے آپ کو چھری سے قتل کیا، وہ چھری سے قتل کیا جاتا رہے گا"

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسان اپنی جان قربان کر دے، اپنا خون بہادے، اپنے اعضاء کٹوالے تو اس پر اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے اور اس کی غیرت یہ بھی گوارا نہیں کرتی کہ ایسے شخص کو مُردہ کہا جائے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

لیکن اگر کوئی شخص خودکشی کرلے یا اپنے اعضاء کاٹ لے تو بہت بڑا جرم بن جاتا ہے۔ حالانکہ اُس نے تو کسی کو کچھ نہیں کہا۔ کسی کو زخمی نہیں کیا۔ کسی پر ہتھیار نہیں اُٹھایا کسی کو ہلاک نہیں کیا۔ اس نے تو اپنے آپ کو ہی دُکھ دیا ہے۔ اپنے اُوپر ہتھیار اُٹھایا ہے پھر یہ جرم کیوں ہے؟ اور جہاد میں جان دے دینا جُرم کیوں نہیں آخر ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ جان اور زندگی جسم اور اعضاء یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، اسی امانت کو اگر دینے والے کے حکم کے مطابق استعمال کریں گے تو عظیم عبادت ہوگی، بے مثال اجر و ثواب ملے گا، لیکن اگر اسی امانت میں خیانت کرے گا اور اسے ایسی جگہ استعمال کرے گا جہاں استعمال کرنے کی اجازت نہیں تو یہ حکم عدولی ہوگی گناہ ہوگا۔

دولت امانت ہے

مال و دولت جو انسان اپنے ہاتھوں سے کماتا ہے جس کے لیے وہ اپنی بہترین توانائیاں اور صلاحیتیں استعمال کرتا ہے جس کے لیے وہ دن رات نہیں دیکھتا۔ بھوک پیاس نہیں دیکھتا۔ وہ مال و دولت بھی اس کی نہیں۔ اسی لیے تو قیامت کے دن اس وقت تک قدم اُٹھانے کی

اجازت نہیں ہوگی۔جب تک ہر مال والے سے یہ نہ پُوچھ لیا جائے کہ یہ مال کہاں سے لیا اور کہاں خرچ کیا۔انسان کی یہ سوچ اور فکر کہ مال میرا ہے مَیں نے اپنے علم اور تجربے سے حاصل کیا ہے ۔ مَیں اُسے جہاں چاہوں خرچ کروں مجھے کوئی روک نہیں سکتا ۔ یہ تو کافرانہ سوچ ہے۔مشرکانہ تھیوری ہے ـــــــ مسلمان کی یہ سوچ نہیں بلکہ اس کی سوچ تو یہ ہے

لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اسلام نے کمانے کے حدود بھی مقرّر کیے ہیں اور خرچ کرنے کے بھی ، نہ تو بلا روک ٹوک کمانے کی اجازت ہے اور نہ ہی جا و بے جا خرچ کرنے کی۔پھر اس کمائے ہوئے پر خزانے کا سانپ بن کر بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے کمائے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھو۔اور اسے اپنے اُوپر اور بچّوں پر، اللہ تعالیٰ کی نادار مخلوق پر اور دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے خرچ کرو۔

دُنیا میں سارا بگاڑ ہی اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان دولت کو امانت نہیں بلکہ اپنی محنت اور ذہانت کی دین سمجھتا ہے۔اگر انسان دولت کو خُدا کی امانت سمجھے اور اُس کے ذہن میں ہر وقت یہ بات رہے کہ دینے والا قادر و مالک ہے ۔ وہ جب چاہے دولت کو چھین سکتا ہے ۔ وہ چاہے تو شاہوں کو گدا کردے اور گداؤں کو شاہ کردے ، فقیروں کو امیر اور امیروں کو فقیر بنادے ۔ اگر یہ سوچ پیدا ہوجائے یہ یقین دل میں بیٹھ جائے تو پھر کوئی سرمایہ دار غرور و تکبّر کا شکار نہ ہو۔وہ کسی غریب انسان کو نفرت وحقارت کی نظر سے نہ دیکھے وہ کبھی خُدائی کا دعوے دار نہ ہو۔اور پھر کبھی کارخانہ دار اور مزدُور کی جنگ نہ ہو۔سارا فساد تو اس ذہنیّت کا ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ مَیں نے کمایا ہے ، وہ میرا ہے ۔اس کا میں تنہا مالک ہوں۔حالانکہ وہ یہ نہیں سوچتا کہ دولت کمانے کے لیے جس ذہانت کی ضرورت ہے وہ کس نے دی ہے ۔ دست و بازو کس نے دیے ہیں۔

اولاد امانت ہے

اولاد بھی خدا کی امانت ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اور يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

(س الشوریٰ پ ۲۵ ع ۶)

ترجمہ: جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے۔ بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے بے شک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ اگر وہ اولاد دے تو واپس نہ لے۔ بلکہ اس کی مرضی ہے جب چاہے اپنی امانت واپس لے لے۔ کوئی بچپن میں فوت ہو جاتا ہے۔ کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں کسی نے خوب کہا ہے۔

باغِ دُنیا میں مرجھاتے ہیں یہ پھول کچھ ادھ کھلے کچھ کھلے کچھ بن کھلے

نیز شاعر کہتا ہے۔

اس گلستاں میں بہت سی کلیاں مجھے تڑپا گئیں کیوں لگی تھیں شاخ میں کیوں بن کھلے مرجھا گئیں

علم امانت ہے

علماءِ کرام کے پاس علمِ دین امانت بھی ہے اور نبی کی وراثت بھی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ علم سے نوازا ہے۔ اُنھیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ انتہائی مقدس امانت ہے جو کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پاکیزہ قلوب پر نازل ہوئی جس کے حاملین ہر دور کے مقتدا، مصلح و مُرشد انبیاء بنے۔ اس امانت کی ادائیگی یہ ہے کہ صاحبِ علم پہلے تو خود اس پر عمل کرے پھر ساری دُنیا کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دے۔ دولتِ دُنیا کی خاطر علمی وقار کو فروخت نہ کرے۔ حق بات کبھی نہ چھپائے، کسی حکمران یا سرمایہ دار کی خاطر مسائل میں تحریف نہ کرے۔ اس لیے مشہور ہے کہ زَلّۃُ العالِمِ زَلّۃُ العالَمِ ایک عالم کی لغزش سارے جہان کی لغزش اور گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔ امانتِ علم کا یہ حق بھی ہے کہ اسے کبھی بھی دُنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنائے۔ کیونکہ اللہ کے نبی کا ارشاد ہے۔

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ لَا یَتَعَلَّمُہٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یعنی ریحھا

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: جس شخص نے اس علم کو سیکھا جس سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے۔ دُنیا کمانے کے لیے وہ قیامت کے دن جنّت کی خوشبو بھی نہ سُونگھ سکے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جن علماء کو امانتِ علم کے بارِ گراں کا احساس تھا۔ اُنھوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا، اپنے احساسات اور جذبات قربان کر دیئے اپنی جوانیاں لٹا دیں اپنی زندگیاں نچھاور کر دیں، لیکن اُنھوں نے علم

کے ساتھ خیانت کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ جو علماء سوء دولت کی چکا چوند پر علم کی عزت و آبرو کو قربان کر دیتے ہیں اور حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے معنیٰ بدلنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسے علماء خائن اور فریبی ہیں۔ انہی کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا:

عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ

اُن کے علماء آسمان کے نیچے رہنے والی مخلوق میں سب سے بدترین ہوں گے۔

سب سے بڑی امانت

یُوں تو سب کچھ امانت ہے۔ عالموں کے پاس علم امانت ہے۔ دولت مندوں کے پاس دولت امانت ہے۔ اُستاد کے پاس شاگرد امانت ہیں، والدین کے پاس اولاد امانت ہے۔ ہر نوجوان کے پاس اس کی جوانی امانت ہے۔ ہر شخص کے پاس اُس کی زندگی امانت ہے۔ اس کی عقلی اور علمی صلاحیتیں امانت ہیں۔ اس کے اعضاء ہاتھ پاؤں، کان، دل امانت ہیں۔ یہ تو سب امانت ہیں، مگر ان امانتوں سے بڑی ایک اور امانت بھی ہے۔ وہ امانت جس کا بوجھ زمین و آسماں نہ اُٹھا سکے وہ امانت جس کا بوجھ پہاڑ نہ اُٹھا سکے اور انسان نے اس بوجھ کو اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھا لیا۔ لیکن اس کا حق ادا نہ کر سکا۔ اور یہ وہ عظیم امانت ہے جس کی نسبت براہِ راست رَبّ ذوالجلال کی طرف ہے —— یہ وہ امانت ہے کہ جب یہ رسول اللہؐ کے حوالے ہوتی تھی تو آپؐ انتہائی ثقل اور بوجھ محسوس کرتے، سخت سردی میں آپؐ کی مقدس پیشانی پر پسینے کی بوندیں موتی بن کر جھلملانے لگتی تھیں۔ یہ وہ امانت ہے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السّلام کے حوالے وقتاً فوقتاً کی جاتی رہی۔

ہمارے پاس سب سے بڑی امانت قرآن مجید ہے، سب سے بڑی امانت خدا کا دین ہے سب سے بڑی امانت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی علمی اور عملی وراثت ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (س احزاب پ ۲۲)

ترجمہ: اور ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سو اُنھوں نے اس کی ذمّہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمّے لے لیا۔ بے شک وہ ظالم، جاہل ہے۔

دین کی امانت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئی تو آپؐ نے اس امانت کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ نے یہ امانت دوسروں تک پہنچانے کے لیے نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، نہ صبح دیکھی نہ شام دیکھی، نہ گرمی دیکھی نہ سردی دیکھی، نہ بہار دیکھی نہ خزاں۔ آپؐ نے سب و شتم کی پروا کی نہ طعن و تمسخر کی، ایذا دہی کا کوئی حربہ آپ کا راستہ نہ روک سکا۔ آپؐ گالیوں اور پتھروں کی بارش میں بھی یہ امانت دوسروں تک پہنچاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ پہنچا جب آپؐ عرفات کے تاریخی میدان میں اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ نے اس مقدس مجمع سے سوال کیا۔

وَ اَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّیْ فَمَآ اَنْتُمْ قَآئِلُوْنَ

لوگو! کل قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا کہ مَیں نے دین کی امانت تم تک پہنچا دی تھی یا نہیں؟

لوگو! تم سے یہ سوال ہوگا کہ مَیں نے یہ امانت تم تک پہنچانے میں کوتاہی تو نہیں کی۔

لوگو! میں قیامت کا دن آنے سے پہلے آج تم سے سوال کرتا ہوں کہ مَیں نے خدائی امانت تم تک پہنچا دی ہے یا نہیں؟

آپؐ کے اس سوال کے جواب میں پورا مجمع پکار اُٹھا۔

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ

ہماری جان آپؐ پر قربان، پہنچانا کیا معنیٰ آپؐ نے تو پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ ہم میں سے وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کو گالیاں بھی دیں۔ بُرا بھلا کہا۔ راستے میں کانٹے بچھائے آپ کے جسمِ مبارک پر سنگ باری کی، مگر اے رسولِ ہاشمی! آپؐ نے اُن کو سینے سے لگایا۔ ان کے راستے میں پھول بچھائے۔ اُن کو دُعائیں دیں اور اُن کے سینوں کو امانت کے نُور سے منوّر کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف انگشتِ شہادت اُٹھائی اور مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ

مجھے مقامِ نبوّت پر فائز کرنے والے، بارِ امانت میرے حوالے کرنے والے، سُن لے گواہی سچے انسانوں کی جن کو تو نے خود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ کی سند دی ہے۔ میں نے تیری امانت ان تک بلاکم و کاست

پہنچا دی ہے۔ پھر آپؐ نے ان برگزیدہ انسانوں سے کہا کہ اب اس امانت کو دوسروں تک پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے

دمِ تقدیر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی لوثِ مراعات سے پاک
شجر فطرت مسلم تھا حیا سے غم ناک
تھا "امانت" میں وہ اک ہستی فوق الادراک

"تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بھی اس امانت کو دوسروں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ اب اس امانت کے وارث ہم بنے ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اس امانت کو دوسروں تک پہنچانے کی پوری پوری کوشش کریں۔ سستی و کوتاہی نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس امانت کو دوسروں تک پہنچانے کا پورا پورا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

بقیہ: حیلے بہانے

جو عمل چاہیں کریں، شریعت پر عمل کریں یا نہ کریں، گناہ چھوڑیں یا نہ چھوڑیں اپنی خدائی سے وہ ہمیں بخش دے۔ ان جاہلوں کی اس بات کو سامنے رکھا جائے تو احکامِ شریعت کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی اور اللہ پاک کے بھیجے ہوئے احکام اور نیکیوں بدیوں کی فہرست اور عذاب و ثواب کی تفصیلات سب عبث و فضول ہو جاتی ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ غفور رحیم ہے۔ سب کو بغیر عمل کے بخش سکتا ہے، اور ہر گناہ معاف کر سکتا ہے، لیکن وہ ایسا کرے گا نہیں، وہ بہت سوں کو بخشے گا۔ بہت سوں کی گرفت فرمائے گا اور عذاب دے گا جیسا کہ احادیث شریفہ میں تفصیلات وارد ہوئی ہیں۔

خدائی کا مظاہرہ بخشنے اور عذاب دینے دونوں میں ہے۔

خدا تعالیٰ کی خدائی کا مظاہرہ صرف بخش دینے ہی میں نہیں ہے گرفت کرنے اور عذاب دینے میں بھی ہے وہ جس کو بھی عذاب دے گا اس میں بھی اس کی خدائی کا مظاہرہ ہوگا۔ یہ کہنا کہ وہ اپنی خدائی سے بخش ہی دے اور گرفت نہ فرمائے یہ اُس کی خدائی پر اعتراض ہے جو بہت بڑی جہالت و حماقت ہے۔ (جاری ہے)

شخصیات

حضرت سیّد نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم

احوال و آثار

شیخ العرب والعجم

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ

یہ ۱۲۳۴ھ کے اواخر کی بات ہے۔ امام المجاہدین حضرت سیّد احمد شہیدؒ[1] دہلی سے دوآبے کے دورے پر روانہ ہوئے "مرشدِ وقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ[2] قدس سرہٗ (۱۲۳۹ھ) نے اپنے جواں سال مسترشد و خلیفۂ اعظم کو اپنا لباس خاص پہنایا اور بڑی خوشی سے رخصت کیا۔" (سیرۃ سیّد احمد شہیدؒ ج ۱ ص ۱۲۳)

غازی الدین نگر، مُرادنگر، میرٹھ اور اُس کے نواح و اطراف، سردھنہ، بڈھانہ، پھلت، مظفّرنگر، دیوبند، سہارنپور اور اس کے نواح، انبیٹھہ، گنگوہ، نانوتہ، تھانہ بھون اور کاندھلہ وغیرہ مقامات و قصبات میں جگہ جگہ قیام ہوا۔ "سینکڑوں خاندانوں اور ہزاروں آدمیوں نے حضرت سیّد صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور شرک و بدعت اور قدیمی خلافِ شرع رسوم سے توبہ کی۔ حضرت سیّد صاحبؒ کا یہ سفر بارانِ رحمت کی طرح تھا کہ جہاں سے گزرتا، سرسبزی و شادابی، بہار اور برکت چھوڑ جاتا ہے۔" (سیرۃ سیّد احمد شہیدؒ، ص: ۱۲۴ تا ۱۴۲)

اس مُبارک سفر میں غالبًا تھانہ بھون یا نانوتہ کے مقام پر ایک کمسن بچّہ بھی حصولِ برکت و سعادت کے لیے حضرت سیّد صاحبؒ کی گود میں دیا گیا۔ آپ نے اسے بیعتِ تبرّک میں قبول فرمایا، اقبال و فیروز مندی نے اس سعید بچّے کے

---

[1] ولادتِ باسعادت: صفر ۱۲۰۱ھ بمقام تکیہ رائے بریلی، شہیدِ بالاکوٹ (علاقہ ہزارہ) ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ از اولادِ سیّد شاہ علم اللہ نقشبندیؒ (م ۱۰۹۶ھ) خلیفہ حضرت سیّد آدم بنوریؒ (خلیفہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ)

[2] حکیم الامّت حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کے فرزند و جانشین

قدم چومے۔ وہ اپنے سنِ شعور کی منزلیں طے کرتا ہوا عالمِ شباب میں آیا تو مقتدائے علماء و صلحاء بن گیا۔ رحمتِ خداوندی نے اُس کے سرِ مبارک پر سروری و سرداری کی کُلاہِ افتخار رکھی اور "شیخ العرب والعجم" بنا دیا۔ یہ طالع وارجمند اور رفیع وبالا بلند شخصیّت تاریخ میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی کے نامِ نامی سے زندۂ جاوید ہے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی　　می تافت ستارۂ بلندی

حضرت حاجی صاحبؒ بچپن کے اس متبرک واقعے کو اپنی مجلس میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ مولانا صادق الیقینؒ راوی ہیں:

"فرمایا، میں تین[3] سال کا تھا کہ سیّد صاحبؒ کی آغوش میں دیا گیا اور اُنھوں نے مجھ کو بیعتِ تبرّک میں قبول فرمایا"[1]　(شمائم امدادیہ ص۵۳، امداد المشتاق ص۶۲)

نام ونسب

حضرت حاجی امداد اللہ[2] صاحب بن حافظ محمدّ امین بن شیخ بڈھا بن حافظ شیخ بلاقی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نسباً فاروقی تھے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت ۲۲ صفر المظفر ۱۲۳۳ھ کو بمقام نانوتہ ضلع سہارن پور ہوئی جو آپ کی ننھیال تھی۔ آبائی وطن تھانہ بھون ضلع مظفّر نگر ہے۔

دہلی میں تعلیم

حضرت کا سنِ مبارک ابھی صرف سات سال کا تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔ تائیدِ ربّانی ابتدائے خلقت ہی سے آپ کی مربّی تھی کہ زمانۂ صغر سنی میں بھی آپ کبھی خلافِ شرع لہو ولعب میں مشغول نہ ہوتے تھے۔ سولہ سال

---

[1] حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک پیر بھائی حضرت مولانا شیخ محمد محدّث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی سفر میں حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے۔ حضرت شیخ محمد تھانویؒ اپنے رسالے "الہامات الموجود" میں تحریر فرماتے ہیں:

"فقیر یاد دارد کہ عمرم ہفت سال باشد کہ در مسجد پیر والی واقع وطنِ فقیر قصبہ تھانہ بھون ضلع سہارنپور بشرف بیعتِ جناب سیّد صاحب قبلہ ممدوح قدس سرہ مشرف شد۔ اگرچہ در ایّامِ طفلی بود۔ امّا پرتوِ بزرگان کافی است۔" (حیاتِ امداد ص۱۱۴ بحوالہ "الہامات الموجود")

[2] حضرت کا نام بچپن میں امداد حسین تھا۔ حضرت شاہ محمدّ اسحاق محدّث دہلوی قدس سرہٗ (م ۱۲۶۲ھ) نے بدل کر امداد اللہ کر دیا۔

[3] بچپن کی عمر کے تخمینے میں کچھ کمی بیشی ہو ہی جاتی ہے۔ (حیاتِ امدادؒ)

کی عُمر میں آپ حضرت مملوک العلی صاحبؒ[1] نانوتویؒ کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں چند مختصراتِ فارسی اور کچھ صرف و نحو کی تعلیم بعض اساتذہ سے حاصل کی۔ نیز حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی تالیف "تکمیل الایمان" مولانا رحمت علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھی۔

مُرشدِ مجاہد کی بیعت

ابھی علُوم ظاہری کی تکمیل نہ ہونے پائی تھی کہ ولولۂ خُدا طلبی حضرت کے دِلِ اخلاص منزل میں جوش زن ہُوا۔ اور آپ نے سرحلقۂ مجاہدین حضرت مولانا سیّد نصیر الدّینؒ[2] غازی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مُبارک پر طریقۂ نقشبندیہ مجدّدیہ میں بیعت کر لی۔ اُس وقت عُمرِ عزیز اٹھارہ برس تھی۔ (شمائم امدادیہ ص۷ : امداد المشتاق ص۶)

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بیعت باطنی

بیعت سے پہلے حضرت حاجی صاحبؒ کو خواب میں حضور نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] حضرت مولانا مملوک علیؒ ۱۲۰۴ھ/۸۹-۱۷۸۹ء میں نانوتہ (ضلع سہارن پور) میں پیدا ہُوئے۔ نسبًا صدیقی تھے۔ علوم و فنونِ عربیہ حضرت علّامہ مولانا رشید الدین دہلوی تلمیذِ رشید سراج الہند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاصل کیے۔ دہلی میں اپنے زمانے کے استاذ الاساتذہ تھے۔ آپ کے تلامذہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدّث گنگوہی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا احمد علی صاحب محدّث سہارنپوری، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدّث پانی پتی، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی اور حضرت مولانا محمد احسن نانوتوی رحمہم اللہ تعالیٰ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند آپ ہی کے فرزندِ ارجمند اور تلمیذِ رشید تھے۔

حضرت مولانا مملوک علی نہایت عابد و زاہد، خوش اخلاق، منکسر المزاج اور سادہ طبیعت تھے۔ ۱۱ ذوالحجہ ۱۲۶۷ھ/ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو دہلی میں وفات پائی۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے خاندانی قبرستان مہندیاں میں حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار کے پائیں میں مدفون ہیں۔ ("سیرۃ یعقوب و مملوک" ص ۲۶ تا ۳۵)

[2] حضرت مولانا سیّد نصیر الدین دہلویؒ جامع کمالات بزرگ تھے۔ اُنھیں مجدّد شرف کی متعدّد نسبتیں حاصل تھی۔ آپ حضرت سیّد ناصر الدینؒ تھانیسری ثم سونی پتی کی اولاد سے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) کے شاگردِ عزیز، حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ (م ۱۲۳۳ھ) کے نواسے، حضرت شاہ محمد اسحاق محدّث دہلویؒ (م ۱۲۶۲ھ) کے داماد، حضرت شاہ محمد آفاق مجدّدیؒ (م ۱۲۵۱ھ) کے مرید و خلیفہ اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ) کی تحریکِ جہاد کے رُکن رکین تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

کی زیارت کا شرف حاصل ہُوا۔ حضرت سیّد صاحبؒ نے حاجی صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مُبارک میں دے دیا۔ مولانا احمد حسن صاحب کانپوریؒ، حضرت حاجی صاحب قدس سرّہٗ سے اس خواب کی روایت کرتے ہیں:

"آپ نے فرمایا کہ ظاہر میں اوّل بیعت میری طریقۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا نصیر الدین دہلویؒ خلیفۂ حضرت شاہ محمد آفاق صاحبؒ سے ہُوئی اور باطن میں بلا واسطہ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس طرح ہُوئی کہ مَیں نے دیکھا کہ حضورؐ ایک بلند جگہ پر رونق افروز ہیں اور حضرت سیّد احمد صاحب شہیدؒ کا ہاتھ آپ کے دستِ مبارک میں ہے اور مَیں بھی اسی مکان میں بوجہ اَدب کے دُور کھڑا ہوں۔ حضرت سیّد صاحبؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حضورؐ کے ہاتھ میں دے دیا۔ خُدا نے مجھ کو کچھ اور بھی دکھایا ہے۔ اگر ظاہر کروں تم لوگ کچھ کا کچھ کہوگے۔ (پھر وہ کیفیت مجھ سے خُفیہ بیان فرمائی) فرمایا کہ بیعتِ باطنی پہلے ہے اور ظاہری اُسی روز ہے یا ایک دو روز بعد۔" (امداد المشتاق ص۱۵۲)

حضرت حاجی امداد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"مَیں حضرت مولانا نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بہت کم رہا۔ میرے والد ماجد بیمار ہوگئے تھے۔ اُنھوں نے دہلی سے اپنی تیمار داری کے لیے طلب کیا۔ مَیں حضرت سے رُخصت لینے گیا۔ حضرت نے مجھے سینۂ مُبارک سے لگا کر بہت دُعا دی اور طریقۂ نقشبندیہ کی اجازت فرما کر رُخصت کیا۔ میرے والد ماجد کئی مہینے مریض رہے، بہت علاج ہوئے کچھ مفید نہ ہُوا اور دُنیا سے رحلت فرمائی۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ اسی وجہ سے میں اپنے پیرو مُرشد کی خدمت میں دوبارہ حاضر نہ ہوسکا، اور اس درمیان میں حضرت بغرضِ جہاد افغانستان کو چلے گئےؒ۔ میرا ارادہ تھا کہ مَیں بھی حاضر حضور ہوں گا، مگر اس

ؒ سرحلقۂ مجاہدین حضرت مولانا سیّد نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۳ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ کو دہلی سے جہاد کے لیے ہجرت فرمائی۔ اس وقت حضرت مولانا محمد اسحاق محدّث دہلویؒ (م ۱۲۶۲ھ) اور آپ کے پیرو مُرشد حضرت شاہ محمد آفاق مجددیؒ (م ۱۲۵۱ھ) دہلی میں موجود تھے۔ ظاہر ہے ان بزرگوں کی اجازت و ایماء سے ہجرت فرمائی۔

حضرت مولانا نصیر الدین صاحبؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی میراث کے حامل تھے۔ حضرت سیّد صاحبؒ اور اُن کے بلند منزلت رُفقاء کی بالاکوٹ میں شہادت (۱۲۴۶ھ) کے بعد آپ نے جب دیکھا کہ تحریک کا جوش وخروش ختم ہو رہا ہے، تو جوان مردانہ میدان میں آگئے اور اپنی ذات کو بے تأمّل قربانی کے لیے پیش کردیا۔ آپ نے سیّد صاحب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ←

مابین میں شہر غزنی سے حضرت کے رحلت فرمانے کی خبر آئی۔

اِنّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون

مَیں اُن کی خدمت شریف میں بہت قلیل مُدّت حاضر رہا۔ کچھ لطائف جاری ہوگئے تھے۔"

(امداد المشتاق، ص۱۵۲)

پھر استفادۂ علوم

اُوپر ذکر آچکا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے حضرت مولانا سیّد نصیر الدین صاحبؒ کی خدمت میں بیعت ہونے سے پیشتر کچھ علُوم ظاہری حاصل کیے تھے۔ بعدازاں الہام غیبی کی بنا پر اور لذّتِ کلام نبویؐ کے جذبے سے مشکوٰۃ شریف کا ایک رُبع جناب رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عاشقِ زار حضرت مولانا محمدؒ قلندر محدّث جلال آبادیؒ کی خدمت میں پڑھا۔ نیز حصن حصین اور فقہِ اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نانوتویؒ سے پڑھیں۔ یہ دونوں بزرگ، عارف مستغرق حضرت مولانا مفتی الٰہی[1] بخش صاحب کاندھلویؒ کے ارشد تلامذہ تھے۔ حضرت مفتی صاحب

← ملک کے مختلف حصّوں کا دورہ کیا۔ دعوتِ جہاد سے ایک جماعت تیار کی اور سیّد صاحبؒ کی طرح وطنِ مالوف سے ہجرت کرکے کاروبارِ جہاد کی تجدید کا انتظام فرمایا۔ (سرگزشتِ مجاہدین ص۱۲۹)

سندھ اور افغانستان میں سکھوں اور انگریزوں سے بہت معرکہ آرائیوں کے بعد حضرت مولانا سیّد نصیر الدینؒ نے مرکزِ مجاہدین ستھانہ (علاقہ سرحد) میں ۱۸ شعبان ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء کو وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً

(سرگزشتِ مجاہدین، ص۱۹۶)

[1] حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ (۱۲۴۵ھ) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳۹ھ) کے مایۂ ناز شاگرد اور مُرید تھے۔ حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے دورہ دوآبہ میں ۷ ربیع الاوّل ۱۲۳۵ھ کو اُن کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوئے۔ اس وقت مفتی صاحبؒ کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ سیرۃ سیّد احمد شہیدؒ میں ہے:

"کاندھلہ میں مفتی الٰہی بخش صاحب جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد اور مُرید تھے۔ بیعت ہوئے اور اُن کے خاندان اور قصبے کے اکثر اہلِ علم اور شرفا بیعت میں داخل ہوئے"۔ ص۱۴۱

←

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی قدس سرہٗ کے شاگرد تھے۔

استفاضۂ مثنوی

حضرت حاجی صاحبؒ نے مثنوی مولانا رُومؒ مولانا شاہ عبدالرزاقؒ سے پڑھی۔ اُنھوں نے حضرت مولانا شیخ اَبوالحسن سے اور شیخ اَبوالحسن نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (خاتم دفتر ششم) سے سماعۃً و قرأۃً مثنوی شریف پڑھی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ ممدوح نے عالمِ رؤیا میں مولانا رُومؒ سے مثنوی معنوی پڑھی تھی۔ مثنوی کے دفتر ششم کا خاتمہ بھی مفتی صاحبؒ نے مولانا رُومؒ کے ارشاد پر لکھا۔

تکمیلِ سُلوک کا داعیہ

الحاصل، حضرت حاجی صاحبؒ مطالعۂ مثنوی کو بطورِ ورد کے معمول فرمالیا جس سے خاطرِ اقدس کو ایک حرکتِ بلیغ پیدا ہوتی تھی اور جوش وخروشِ باطنی چہرۂ مبارک سے صاف ظاہر ہوتا تھا، چنانچہ تکمیلِ سلوک کا داعیہ رہ رہ کے تڑپانے لگا۔

حضرت میانجیو چشتیؒ کے سپُرد

حتّٰی کہ اس درمیان میں ایک دن آپ نے خواب میں دیکھا کہ مجلسِ اعلیٰ واقدس حضرت سرورِ عالم، مُرشدِ اتم،

← حضرت مفتی صاحبؒ کے دو نواسے مولانا محمّد صابر صاحب اور مولانا محمد مصطفیٰ صاحب جو مفتی صاحبؒ کے شاگردِ رشید اور زیرِ تربیت بھی تھے، حضرت سید صاحبؒ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے۔ مولانا محمد مصطفیٰؒ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (سفینۂ رحمانی، ص۸۲)

حضرت مفتی صاحبؒ کے تیسرے نواسے حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ (م ۱۲۹۲ھ) سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے مثنوی شریف پڑھی تھی۔ حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں:

"میں نے مثنوی تین بار حضرت مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر عرض کی اور بعض مقامات کی تحقیق مولوی ابوالحسن کاندھلوی (فرزند حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ) سے کی۔" (امداد المشتاق ص۶۳)

حضرت مولانا محمّد قلندر محدّثؒ (م ۱۲۶۰ھ) حضرت مفتی صاحبؒ کے شاگرد اور خلیفۂ مجاز تھے۔

صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ وازواجہٖ واتباعہٖ وسلّم میں حاضر ہُوں، غایتِ رُعب سے قدم آگے نہیں پڑتا ہے، کہ ناگاہ میرے جدّا مجد حضرت حافظ بلاقی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضور حضرتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں پہنچادیا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرا ہاتھ لے کر حضرت میانجیو[1]

---

[1] قطبِ ربّانی حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ قطبِ وقت حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم صاحب شہید ولایتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم و جانشین تھے۔ حضرت ولایتی شہیدؒ سہارنپور میں مسجد البونبی میں اقامت رکھتے تھے۔ انہیں تین بزرگوں سے انتسابِ بیعت و اجازت حاصل تھا۔ اوّل سلسلۂ عالیہ قادریہ قمیصیہ میں قطبِ زمانہ حضرت سید رحم علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۱۴ھ) سے مُرید و مجاز ہوئے۔ پھر حضرت شاہ عبدالباری چشتی امروہویؒ (م ۱۲۲۴ھ) سے بیعت ہوکر نسبت و خلافتِ چشتیہ حاصل کی۔ آخر میں ماہ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ میں امیر المومنین امام المجاہدین مجدّد مأتہ سیزدہم حضرت سیّد احمد شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ) کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور مجاز ہوئے بلکہ حضرت میانجیو نُور محمّد جھنجھانوی کو بھی لوہاری سے سہارنپور بُلاکر حضرت سیّد صاحبؒ سے بیعت کرادیا۔ حضرت میانجیو کو سیّد صاحبؒ نے اجازتِ طریقہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ (سیرۃ سیّد احمد شہیدؒ ص ۱۴۱)

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی محبّت میں ایسے وارفتہ ہُوئے کہ اپنی مسندِ ارشاد چھوڑ چھاڑ حضرت سیّد صاحبؒ کی معیّت اختیار کرلی اور سفر و حضر و جہاد میں ہمیشہ ساتھ رہے۔ حتّٰی کہ سیّد صاحبؒ کے ہمراہ جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہوکر سرفرازی حاصل کی ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اِس عہد کو ہم وفا کر چلے

انوارِ محمّدی میں ہے:

"حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی مجاہد غازی شہید کہ درلشکرِ ظفر پیکر حضرت سیّد احمد صاحب قبلہ درولایت خراسان شربتِ شہادت نوشیدند قدس اللہ سرہ العزیز" ص۳۱

انوارالعاشقین میں ہے: "آپ نے ہمراہ حضرت سیّد احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بمقابلہ سکھاں ۱۲۴۶ھ میں ماہ ذی قعدہ کی ستائیس کو درجۂ شہادت کبریٰ سے سرفرازی حاصل کی۔ رحمۃ اللہ علیہ" ص۸۲

صاحب چشتی قدس سرہٗ کے حوالے کردیا، اس وقت تک بعالمِ ظاہر میانجیو صاحبؒ سے کسی طرح کا تعارف نہ تھا بیان فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا عجیب انتشار وحیرت میں مبتلا ہوا کہ یارب، یہ کون بزرگ ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دیا اور خود مجھ کو اُن کے سپرد فرمایا۔ اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ ایک دن حضرت استاذی مولانا محمدؒ قلندر محدث جلال آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میرے اضطرار کو دیکھ کر بکمالِ شفقت وعنایت فرمایا کہ تم کیوں پریشان ہوتے ہو، موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے وہاں جاؤ اور حضرت میانجیو صاحبؒ سے ملاقات کرو، شاید مقصودِ دلی کو پہنچو اور اس حیص وبیص سے نجات پاؤ۔ حضرت حاجی صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت مولانا سے میں نے یہ سُنا، متفکر ہوا اور دل میں سوچنے لگا کہ کیا کروں، آخر بلالحاظ سواری وغیرہ میں نے فوراً راہ لوہاری کی لی اور شدّتِ سفر سے حیران وپریشان چلا جاتا تھا، یہاں تک کہ پیروں میں آبلے پڑ گئے۔ نہایت درجہ کشش وکوشش سے آستانہ شریف پر حاضر ہوا اور جیسے ہی دُور سے حضرت میانجیو صاحبؒ کا جمالِ باکمال ملاحظہ کیا تو صورتِ انور کو کہ خواب میں دیکھا تھا، بخوبی پہچانا اور محوِ خود رفتگی ہوگیا اور آپے سے گزر گیا، اور اُفتاں وخیزاں اُن کے حضور میں پہنچ کر قدموں پر گر پڑا۔ حضرت میانجیو صاحب قدس سرہٗ نے میرے سر کو اُٹھایا اور اپنے سینۂ نور گنجینہ سے لگایا اور بکمالِ رحمت وعنایت فرمایا کہ "تم کو اپنے خواب پر کامل وثوق ویقین ہے"۔ یہ پہلی کرامت منجملہ کرامات حضرت میانجیو صاحبؒ کی ظاہر ہوئی اور دل کو بکمال استحکام مائل بخود کیا۔ الحاصل ایک عرصہ حضرت میانجیو صاحبؒ کی خدمتِ بابرکت میں حلقہ نشین رہے اور سلاسلِ اربعہ عموماً اور سلوکِ طریقۂ چشتیہ صابریہ کی خصوصاً تکمیل کی، اور خرقۂ خلافتِ تامہ واجازتِ خاصہ وعامہ سے مشرف ہوئے۔ (شمائم امدادیہ ص: ۷ تا ۱۰ - امداد المشتاق - ص: ۶ تا ۹)

اجازتِ غیبی کا انتظار

ابتدائی زمانہ میں حضرت حاجی صاحبؒ لوگوں کو بیعت کرنے میں تامّل بلکہ انکار فرماتے تھے۔ ۱۲۶۲ھ میں جب حج اوّل سے وطن کو واپس ہوئے تو لوگوں نے بیعت کے لیے اصرار وکوشش سے کام لینا شروع کیا۔

اوّلاً حضرت حاجی صاحبؒ نے انکار فرمادیا اور کچھ اس پر اقدام نہ فرمایا کیونکہ اجازتِ غیبی اور حکمِ الٰہی کا انتظار تھا۔

حاجی صاحبؒ کے مہمان عُلماء ہیں

مؤلف شمائمِ امدادیہ کا بیان ہے:

"ایک بار حضرت حاجی صاحبؒ نے تھانہ بھون میں خواب دیکھا کہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع خُلفاء

راشدین و دیگر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم تشریف رکھتے ہیں اور حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عنایت و شفقت بے انتہا اپنے حال پر مبذول دیکھی اور نیز دیکھا کہ زوجۂ [1] شیخ فدا حسین، والدۂ حافظ احمد حسینؒ (مہاجر و امینِ حجاج، مقیم مکہ معظّمہ، (زادھا اللہ شرفاً و کرامۃً) حضرت کے لیے اپنے مکان میں کھانا پکا رہی ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ان مرحومہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تو اُٹھ، تاکہ میں امداد اللہ کے مہمانوں کے واسطے کھانا پکاؤں کہ اُن کے مہمان علماء ہیں۔ یہ خواب بیعت لینے کی اجازت اور بشارت تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اُس دن سے عُلماء و طلباء کا ہجوم زیادہ سے زیادہ ہوا۔ پھر دوبارہ اشارتِ غیبی اس بشارتِ غیبی کی تائید میں ہوئی اور اربابِ معارف کی فرمائش عموماً اور آپکے دینی و عرفانی بھائی جناب حافظ محمد ضامن [2] صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی فہمائش خصوصاً اس پر مؤکّد تر ہوئی۔ چار و ناچار بیعت لینا شروع فرمایا۔ اوّلاً چند آدمیوں نے جو عوام سے تھے بیعت کی۔ بعدازاں عُلماء میں سے جس شخص نے سب سے پہلے بیعت کی، وہ جامع فضل و کمالِ ممکنہ افرادِ انسانی حضرت ابی الحکیم مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تھے اور حضرت کے تمام خلفاء سے کمالاتِ باطنیہ میں گوئے سبقت لے گئے۔ بعدازاں وارثِ علومِ دینی، مستفیض بفیضانِ حضرت الحاج مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کہ کشفِ اسرار و دقائقِ علومِ الٰہیہ میں آیۃٌ من آیات اللہ تھے، سلسلۂ بیعت میں منسلک ہوئے۔"

(شمائم امدادیہ، ص: ۱۵، ۱۶ - امداد المشتاق- ص: ۲۴، ۲۵)

جذبۂ جہاد

یہ امیر المومنین حضرت سیّد احمد شہید قدس سرّہٗ ہی کی نسبتِ باطنی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مُہاجر مکّی اور اُن کے شیوخ و خُلفاء کرام کے سینوں میں جذبۂ جہاد موجزن رہا۔ اُوپر گزر چکا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے مُرشدِ اوّل مولانا سیّد نصیر الدّین دہلویؒ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہونا چاہتے تھے، لیکن والد ماجد کی بیماری اور وفات اور اس دوران میں پیر و مُرشد کی شہادت سے ارادہ موقوف ہوگیا۔

---

[1] حضرت حاجی صاحبؒ کے حقیقی بھائی فدا حسین صاحبؒ کی اہلیہ اور حافظ احمد حسین صاحبؒ (م ۱۳۱۴ھ) کی والدہ

[2] امام العاشقین حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ (م ۱۲۷۴ھ) خلیفۂ ارشد حضرت میانجیو نُور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۹ھ) حضرت حاجی صاحبؒ کے مُربّی اور پیر بھائی۔

میدانِ جہاد میں

آخر جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت رنگ لایا اور اسلافِ کرام و پیرانِ عظام کی سُنّت ادا کرنے کا وقت آگیا۔ قدرتِ الٰہی نے ایک اور موقع فراہم کر دیا، چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں فرنگی فوج سے برسرِپیکار نظر آتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ اور دُوسرے جانثارانِ اسلام نے تھانہ بھون، ضلع مظفرؒ نگر کو دارالاسلام قرار دے کر متوازی حکومت قائم کر لی اور جہاد کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

حاجی صاحبؒ : امامُ المجاہدین

"نقشِ حیات" میں ہے :

"اِعلان کر دیا گیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا محمّد قاسم صاحب کو سپہ سالارِ افواج قرار دیا گیا اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمّد مُنیر صاحب نانوتویؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانویؒ کو میمنہ اور میسرہ کا افسر قرار دیا گیا۔" ص۴۱

فرنگی حُکّام کو نِکال باہر کیا

"حیاتِ امداد" میں ہے :

"چونکہ مذکورہ بالا حضرات نے جہاد کا فیصلہ کر لیا اور یہ صاحبان اپنی بزرگی، پرہیزگاری اور شخصیّت کے اعتبار سے بااثر تھے، اس لیے چاروں طرف سے لوگ جہاد کے لیے آکر تھانہ بھون میں جمع ہو گئے۔ یہ اجتماع ان ہی امیر المومنین حاجی امداد اللہ صاحب کے گرد جمع ہو گیا تھا، چنانچہ ان حضرات نے تھانہ بھون اور اطراف و جوانب میں اپنی حکومت قائم کر لی اور انگریزی حاکموں کو نکال باہر کیا۔" ص۶۴

ایک دن معلوم ہوا کہ شاملی ضلع مظفر نگر میں جو تھانہ بھون کے قریب ہے اور سہارن پور سے تھانہ بھون کو چھوٹی لائن پر واقع ہے جو ان دنوں انگریزوں کا فوجی مرکزی مقام بھی تھا، انگریز اپنا توپ خانہ بھیج رہے ہیں۔ اس خبر سے مجاہدین کو تشویش لاحق ہوئی اور ان کے استیصال کے لیے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو مقرر کیا گیا۔

قسط : ۷

مضامینِ علمیہ

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اصولِ تفسیر میں "مبادی تدبر تفسیر" اور اصولِ حدیث میں "مبادی تدبرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں انہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلل ابطال اور احقاق حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاح احوال کا ذریعہ بنائے آمین

یہاں ہمارا مقصود صرف اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ والی حدیث قرآن اور سُنّت مشہورہ کے مخالف نہیں بلکہ عین موافق ہے اور بعینہ یہی الفاظ کسی وقت میں خود قرآن پاک میں نازل ہوئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہ الفاظ فصیح عربی کے مخالف نہیں ہیں اور پھر سوچنے کی بات ہے کہ یہ الفاظ منسوخ ہو چکے ہیں۔ روایت کرنے والوں نے اس کو قرآن کے طور پر نہیں حدیث و روایت کے طور پر ذکر کیا ہے تو اگر اُن کی روایت بالمعنیٰ ہوئی ہو تو اس اعتبار سے بھی امین احسن اصلاحی صاحب کے اعتراض کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ روایت بالمعنیٰ میں عجمیت کی آمیزش کوئی تعجب کی بات نہیں۔

ابوحیان شرح تسہیل میں لکھتے ہیں۔

"انہ وقع اللحن کثیرا فیما روی من الحدیث لان کثیرا | بہت سی حدیثوں میں لحن واقع ہوا ہے کیونکہ بہت سے راوی طبعًا غیر عربی تھے اور

من الرواۃ کانوا غیر عرب بالطبع ولا یعلمون لسان العرب بصناعۃ النحو فوقع اللحن فی کلامھم و ھم لا یعلمون ذلک۔ وقد وقع فی کلامھم وروایتھم غیر الفصیح من لسان العرب ونعلم قطعا من غیر شک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان افصح الناس فلم یکن لیتکلم الا بافصح اللغات و احسن التراکیب واشھرھا واجزلھا۔

وہ عربی زبان سے علم نحو کے مطابق واقف نہ تھے۔ لہذا ان سے غیر شعوری میں اُن کے کلام میں لحن واقع ہوا۔ اسی طرح آپکے کلام اور اُن کی روایت میں عربی زبان کے غیر فصیح کلمات بھی واقع ہوئے جبکہ ہمیں قطعی طور پر بلا کسی شک کے یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں فصیح ترین تھے اور آپ فصیح ترین زبان بولتے تھے اور عمدہ ترین اور مشہور اور فصیح ترین تراکیب استعمال کرتے تھے۔

علاوہ ازیں تکملہ فتح الملہم میں مولانا تقی عثمانی صاحب نے یہاں ایک اور توجیہ کی ہے ــــ لکھتے ہیں۔

المشھور فیما بین الناس ان آیۃ الرجم نسخت تلاوتھا وبقی حکمھا ولکن اللذی یظھر بعد تتبع الروایات فی ھذا الباب انھا لم تکن قرآنا قط وانما کانت آیۃ من آیات التوراۃ أو احد کتب بنی اسرائیل ـ ولما اقر اللہ تعالیٰ حکمھا لھذہ الامۃ اطلق علیھا لفظ النزول مجازا ـ و لیس المراد انھا نزلت کآیۃ القران وانما المراد انہ نزل الحکم باقرار حکمھا . . .

لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ آیتِ رجم کی تلاوت منسوخ ہوئی اور اس کا حکم باقی رہا۔ لیکن اس باب میں موجود روایات کے تتبع سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آیت قرآن نہیں تھی بلکہ وہ توریت یا کسی اسرائیلی کتاب کی آیت تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اس اُمت کے لیے برقرار رکھا تو اس پر مجازاً نزول کے لفظ کا اطلاق کیا گیا۔ لہذا یہ مراد نہیں ہے کہ اس کا نزول بطورِ آیت قرآن کے ہوا، بلکہ یہ مراد ہے کہ آیت رجم کے حکم کو برقرار رکھنے کی صورت میں اس کا حکم نازل ہوا . . .

واما قول سیدنا عمر رضی

جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موطا

اللہ عنہ فی روایۃ الموطا لولا ان یقول الناس زاد عمر بن الخطاب فی کتاب اللہ تعالی لکتبتہا فلیس مرادہ ان یکتبہا فی المصحف من القرآن و انما مرادہ ان یکتبہا ممتازۃ عن القرآن کتفسیر لہ (تکملہ فتح الملہم جلد ثانی)

امام مالک میں اس قول کا تعلق ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ کہتے کہ عمر بن الخطاب نے کتاب اللہ میں زیادتی کی ہے تو میں اس کو لکھ دیتا تو اس سے ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اس کو مصحف میں قرآن کے جزء کے طور پر لکھ دیتے بلکہ اُن کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کو قرآن سے ممتاز بطور اس کی تفسیر کے لکھ دیتے۔

امین احسن اصلاحی صاحب کی ایک اور ناانصافی

ایک اور مقام پر امین احسن اصلاحی صاحب یوں رقمطراز ہیں

"... لیکن صدر اوّل میں روایت حدیث کی روز افزوں مقبولیت کی وجہ سے جب لوگوں نے بلاتحقیق حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں تو ضعیف احادیث کے توغل نے بعض محتاط لوگوں کے اندر حدیث بیزاری کا رجحان پیدا کیا اور اُنھوں نے اس طریقے کی باتیں کہنا شروع کر دیں کہ بھئی دیکھو جو کچھ بیان کرنا خدا کے واسطے قرآن ہی سے متعلق بیان کرنا اس سلسلے میں روایات بہت ہیں ہم صرف ایک جامع روایت نقل کرنے پہ اکتفا کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث و سُنّت کے بارے میں غیر متوازن خیالات کا آغاز کس طرح ہوا۔

عن الحسن ان عمران بن حصین کان جالسا ومعہ اصحابہ فقال رجل من القوم لا تحدثونا الا بالقرآن قال فقال لہ ادنہ فدنا۔ فقال ارایت لو وکلت انت و اصحابك الی القرآن اکنت تجد فیہ صلاۃ الظہر اربعا و صلاۃ العصر اربعا

حسن سے روایت ہے کہ عمران بن حصین اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہاں کوئی شخص ہمارے سامنے جو کچھ بیان کرے بس قرآن سے بیان کرے۔ عمران بن حصین نے فرمایا ذرا ان کو میرے قریب کرو۔ وہ میرے قریب آئے تو عمران نے ان سے فرمایا فرض کرو کہ تمہیں تنہا قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پا سکتے ہو کہ ظہر چار

والمغرب ثلا ثا تقرأ فی . اثنتین۔ رکعت عصر چار رکعت اور مغرب تین رکعت ہے
ارأیت لو وکلت انت اور اس کی دو رکعتوں میں تمہیں قرات کرنی
واصحابك الی القرآن اکنت ہے، اسی طرح کیا تم قرآن میں پا سکتے ہو کہ بیت اللہ
تجد الطواف بالبیت سبعا کا طواف سات بار کرنا ہے اور صفا مروہ کا
والطواف بالصفا والمروۃ ثم طواف ہے۔اس کے بعد انھوں نے لوگوں
قال ای قوم خذوا عنا سے خطاب کر کے فرمایا، اے لوگو ہم سے سیکھو
فانکم واللہ ان لم تفعلوا لتضلن اگر ایسا نہ کیا تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

حدیث بیزاری کا ردِ عمل دوسری طرف جو ایک گروہ پر قرآن بیزاری کی شکل میں ہوا اور اس کے اندر حدیث کے غلو نے یہ شکل اختیار کر لی کہ بعض لوگوں نے اعلانیہ اس کو قرآن پر ترجیح دینی شروع کر دی، چنانچہ مکحول کا ایک قول منقول ہے کہ

القرآن احوج الی السنة من سُنّت جتنی قرآن کی محتاج ہے اس سے زیادہ
السنة الی القرآن۔ قرآن سُنّت کا محتاج ہے۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اُن کے نزدیک سُنّت قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا قرآن سُنّت کا محتاج ہے۔ یہ صاف صاف ترجیح دینے کی بات ہے اور ظاہر ہے کہ مبالغہ آمیز ہے۔

یہ لے بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھ گئی کہ ایک بزرگ یحییٰ بن کثیر کا قول نقل ہوا ہے کہ

السنة قاضیة علی الکتاب لیس سُنّت حاکم ہے کتاب اللہ پر۔ کتاب اللہ سُنّت
الکتاب قاضیا علی السنة پر حاکم نہیں ہے۔

گویا اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ العیاذ باللہ رسول اللہ اللہ تعالیٰ پر حاکم ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول کے اوپر حاکم نہیں۔ یہ بھی بات کے کہنے ہی کی غلطی ہے۔ غلو سے غلو پیدا ہوتا ہے اور غلطی سے غلطی"۔ (ص: ۳۷/۳۸ مبادی تدبر حدیث)

ہم کہتے ہیں کہ امین احسن اصلاحی صاحب نے یہاں بلا تحقیق کچھ باتیں کہی ہیں۔

(۱) ایک تو انھوں نے یہ کہا کہ "ضعیف حدیث کے توغل نے بعض محتاط لوگوں کے اندر حدیث بیزاری کا رجحان پیدا کیا اور انھوں نے اس طریقے کی باتیں کہنا شروع کر دیں کہ بھئی دیکھو جو کچھ بیان کرنا خدا کے واسطے

قرآن ہی سے متعلق بیان کرنا" اور پھر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ذکر کیا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۲ یا ۵۳ ہجری کی ہے۔ ان کے زمانے میں خارجی فتنہ اپنے عروج پر تھا۔ جنھوں نے سنّت و حدیث کا انکار کیا اور اس بنار پر نہیں کیا کہ ضعیف حدیث کے توغل کی وجہ سے احتیاط کی جائے بلکہ اپنے غلط و باطل عقیدے کی بنار پر کیا۔

تمام خارجی فرقے باہمی اختلافات کے باوجود اس پر متفق ہیں کہ اس فتنہ (یعنی دورِ صحابہ کی خانہ جنگی) سے پہلے کے تمام صحابہ ثقہ اور عدول ہیں۔ لیکن اس فتنہ کے بعد ــــــــــــــــــــ
ــــــــــــــــ وہ حضرتِ علی کو حضرتِ عثمان کو اصحابِ جنگِ جمل کو دونوں حکموں (یعنی ثالثوں) کو اور ان تمام صحابہ و تابعین کو جو تحکیم (ثالثی) سے متفق تھے اور دونوں حکموں کو یا ان میں سے کسی ایک کو حق پر سمجھتے تھے۔ سب کو کافر اور اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔

اسی بنیاد پر اُنھوں نے اس فتنہ کے بعد تمام احادیث کو رد کر دیا کیونکہ وہ سب (یعنی مذکور حضرات) تحکیم (ثالثی) سے متفق تھے اور خارجی عقیدہ کے مطابق ائمہ جور (ظالم حکمرانوں) کی پیروی کر رہے تھے۔ اس لیے کافر اور اسلام سے خارج تھے۔ ان کی حدیثیں قبول نہیں کی جا سکتیں ...

اس طرح پُورا کا پُورا ذخیرہ سُنّت و حدیث خارجی مکتب فکر کے نزدیک مردود اور ناقابل اعتبار ہے نعوذ باللہ منہ (ص ۲۹۲/۲۹۳ اسلام میں سُنّت و حدیث کا مقام۔ مصطفی حسنی سباعی رحمہ اللہ)

اس پس منظر میں دیکھیے تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جس شخص نے یہ بات کہی کہ ہم سے صرف قرآن کی بات کیجیے وہ یا تو خارجی ہوگا یا خارجی پروپگنڈہ سے متأثّر ہوگا۔ ورنہ دین کے معاملے میں محتاج شخص یا بالفاظ دیگر حدیث کے معاملے میں محتاط شخص ایسا کون سا ہو سکتا ہے کہ حدیث جو کہ دین میں مستقل حجّت و دلیل ہے اسی سے ہی اعراض کرے اور مطلقاً انکار کی روش اختیار کرے۔

خارجیوں کے بعد معتزلہ وجود میں آئے اور اُنھوں نے اپنے آپ کو اصحاب العدل والتوحید کہہ کر اہلِ سُنّت سے علیحدہ عقائد و نظریات اختیار کیے۔ چونکہ سُنّت و حدیث ایسی چیز ہے جس کے ہوتے ہوئے اور اس کو مسلم سمجھتے ہوئے کوئی باطل عقیدہ و نظریہ پنپ نہیں سکتا۔ لہٰذا کسی نہ کسی طریقے سے ان کا انکار کیا گیا یا ان کی حجیت میں شکوک و شبہات پیدا کیے گئے۔ معتزلہ نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا اور پھر اُنھوں نے خبر واحد ہی کیا خبر متواتر کو بھی مشتبہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس کے لیے اپنی جانب میں دلائل عقلیہ کا

سہارا لیا۔

خضری بک اپنی تاریخ تشریع اسلامی میں لکھتے ہیں۔

"۔۔۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے اور ان اہل رائے کا ایک مناظرہ میں جو خبر الخاصہ (خبر واحد) کو نہیں مانتے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ مذہب ـــ یعنی تمام احادیث کا انکار ـــ ان لوگوں کا ہے جو بصرہ کی طرف منسوب ہیں اور (ہمیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ) بصرہ اس زمانہ میں علمی اور کلامی یعنی عقلی تحریک کا مرکز تھا، بصرہ سے معتزلہ کے مذاہب پھوٹے ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ اعتزال اور مؤلفین و مصنّفین بصرہ میں ہی ہُوئے ہیں۔ یہی لوگ محدثین اور ائمہ حدیث کے ساتھ بحثیں اور مناظرے کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔

علّامہ ابن حزم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں

"تمام اہل اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہر حدیث کو جو ایک ثقہ راوی نے بیان کی ہو قبول کیا کرتے تھے۔ ہر فرقہ اپنے علم اور مسلک کی روشنی میں اس پر قائم تھا۔ اہلِ سُنّت بھی خوارج بھی شیعہ بھی اور قدریہ بھی یہاں تک کہ تاریخ کی ایک صدی بعد عقلیت پرست معتزلہ منظرِ عام پر آئے اور اُنھوں نے خبر واحد کے متعلق اس اجماع کی مخالفت کی خود ابن علیہ (اپنے مخصوص نظریات کو اختیار کرنے سے پہلے) امام حسن بصری سے جو حدیث مروی ہوتی اس پر عمل کیا کرتا اور اسی پر فتویٰ دیا کرتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تاریخ اسلام سے ادنیٰ تعلق رکھنے والا شخص بھی ناواقف نہیں ہوسکتا۔ (بحوالہ ص۱۴۲ اسلام میں سُنّت و حدیث کا مقام)

ابو الھذیل معتزلی کا نظریہ ہے کہ چار آدمیوں سے کم کی خبر سے تو کوئی بھی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ چار سے اوپر بیس تک کی خبر سے کبھی علم صحیح ہوجاتا ہے، کبھی نہیں۔ ہاں بیس آدمی کی خبر سے جبکہ ان میں ایک جنتی (معتزلی) بھی ہو علم صحیح (یقین) لامحالہ حاصل ہو جاتا ہے۔

(بحوالہ ص۱۴۶ اسلام میں سُنّت وحدیث کا مقام)

غرض مُسلمانوں کی تاریخ میں اہلِ سُنّت میں سے کوئی بھی گروہ ایسا نہیں گزرا جس نے احتیاط کی خاطر ہی سہی حدیث و سُنّت سے اعراض اور صرف قرآن کو کافی سمجھنے کی روش کو اختیار کیا ہو اور آخر ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا جبکہ خود نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ منقول ہُوا ہے کہ

عن ابی رافع قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا الفین أحد کم متکئا علی أریکته یاتیه الامر من أمری مما امرت أو نهیت عنه فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب الله اتبعناه (مشکوٰۃ)

ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَیں ہرگز تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے ہو اور اس کو میری کوئی بات پہنچے جس کا مَیں نے حکم دیا ہو یا جس سے مَیں نے روکا ہو اور وہ کہے کہ میں (اسے) نہیں جانتا ہم تو بس اس کی پیروی کریں گے جو ہم کتاب اللہ میں پائیں گے۔

(یعنی چونکہ یہ بات کتاب اللہ میں نہیں ہے اس لیے ہم اس کو قبول نہیں کریں گے۔)

ہم نے جو تفصیل اُوپر بیان کی ہے اس کی تائید حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قصے کی مزید تفصیلات سے بھی ہوتی ہے۔ ہم اس پورے قصے کو عبد الفتاح ابو غدہ مدظلہ کی کتاب لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث سے نقل کرتے

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں نقل کرتے ہیں۔

عن الصحابی الجلیل عمران بن حصین رضی الله عنه ان رجلا اتاه فسأله عن شی فحدثه فقال الرجل حدثوا عن کتاب الله ولا تحدثوا عن غیره ـ فقال عمران بن حصین رضی الله عنه انك امرؤ احمق اتجد فی کتاب الله تعالی صلاة الظهر اربعا لا یجهر فیها ثم عدد علیه الصلاة والزکاة و نحو هذا ثم قال اتجد هذا فی کتاب الله مفسرا

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کوئی بات پُوچھی۔ اُنھوں نے حدیث بیان کی۔ اس شخص نے کہا کہ کتاب اللہ سے بیان کیجیے غیر قرآن سے بیان نہ کیجیے۔ اس پر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو احمق آدمی ہے کیا تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ بات پاتا ہے کہ ظہر کی چار رکعتیں بلا جہر ہیں۔ پھر انھوں نے اس کے سامنے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کو شمار کیا اور فرمایا کیا تو یہ قرآن میں تفصیل کے ساتھ پاتا

ان کتاب الله قد ابهم هذا وان السنة تفسر ذلك — ہے۔ کتاب اللہ میں اس بارے میں ابہام ہے اور سنّت اس کی تفسیر کرتی ہے۔

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اس قصّے کے آخر میں یہ بھی نقل کیا کہ

ولم یکن الرجل الذی قال هذا صاحب بدعة ولکنه کانت منه — وہ شخص جس نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے وہ بات کہی بدعتی نہ تھا البتہ یہ بات بدعت کی کہی تھی۔

معلوم ہوا کہ اس قسم کی بدعت اس زمانے میں رائج تھی جو کہ تاریخ کی روشنی میں خارجیت کی تھی اور کچھ صحیح عقیدہ کے لوگ بھی اُن کے بہکائے سے متأثر ہو جاتے تھے۔

اس سے زیادہ تفصیل خطیب بغدادی نے اپنی کتاب الکفایہ فی علم الروایۃ میں نقل کی ہے۔

ان عمران بن حصین رضی الله عنه کان جالسا ومعه اصحابه فقال رجل من القوم لا تحدثونا الا بالقرآن فقال له ادنه - ای اقرب - فدنا فقال ارأیت لو وکلت انت و اصحابك الی القرآن أ کنت تجد فیه صلاة الظهر اربعا والمغرب ثلاثا تقرأ فی اثنتین۔ أرأیت لو وکلت انت واصحابك الی القرآن اکنت تجد الطواف بالبیت سبعا والطواف بالصفا والمروة۔ ثم قال ای قوم۔ ای یاقوم۔ خذوا عنا فانکم والله ان لا تفعلوا لتضلن۔ — حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ اُن کے اصحاب تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم سے صرف قرآن بیان کیجیے، تو آپ نے اس سے فرمایا میرے قریب ہو جا۔ وہ قریب ہو گیا تو فرمایا، یہ تو بتا کہ اگر تیرے ساتھیوں کو قرآن کے حوالے کر دیا جائے تو کیا تو اس میں یہ پائے گا کہ ظہر کی نماز کی چار رکعتیں ہیں اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں جن میں سے دو میں تو قراءت کرتا ہے۔ یہ تو بتا کہ اگر تو اور تیرے ساتھی قرآن کے حوالے کر دیے جائیں تو کیا تو یہ پائے گا کہ بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروہ کے طواف سات ہیں۔ پھر فرمایا اے لوگو ہم سے سیکھو۔ اللہ کی قسم اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم ضرور گمراہ ہو جاؤ گے۔

پھر خطیب بغدادی نے ایک اور طریق سے یہی روایت یوں نقل کی :

ان رجلا قال لعمران بن حصین ما هذه الاحادیث التی تحدثونا ها وترکتم القران ۔ قال عمران أرأیت لو ابیت انت واصحابك الا القرآن این کنت تعلم ان صلاة الظهر عدتها کذا وکذا، وصلاة العصر عدتها کذا وحین وقتها کذا وصلاة المغرب کذا والموقف بعرفة ورمی الجمار کذا، والید من این یقطع؟ امن هنا ام من ههنا، و وضع یده علی مفصل الکف و وضع عند المرفق و وضع یده عند المنکب۔ اتبعوا حدیثنا ما حدثنا کم والا واللہ ضللتم۔

ایک شخص نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ کیا احادیث ہیں جو آپ ہم سے بیان کرتے ہیں اور آپ نے قرآن کو ترک کر دیا۔ عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا بتا کہ اگر تو اور تیرے ساتھی قرآن کے علاوہ (حدیث) کو نہ لیں تو تجھے کہاں سے پتہ چلے گا کہ ظہر کی اتنی اتنی رکعتیں ہیں اور عصر کی اتنی رکعتیں ہیں اور اس کا وقت یہ ہے اور مغرب کی نماز اتنی ہے اور عرفہ کا موقف اور رمی جمار ایسا ہے۔ اور یہ کہ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا یہاں سے یا وہاں سے اور انہوں نے اپنا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ پر اور کہنی کے جوڑ اور مونڈھے پر رکھا اور فرمایا جو حدیث ہم تم سے بیان کریں تم اس کی پیروی کرو، ورنہ اللہ کی قسم تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ میں ذکر کیا کہ بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المدخل الی دلائل النبوۃ میں حبیب بن ابی فضالۃ مالکی کے واسطے سے نقل کیا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے شفاعت کا ذکر کیا، تو ایک شخص نے کہا۔

یا ابا نجید انکم تحدثوننا باحادیث لم نجد لها اصلا فی القرآن فغضب عمران وقال للرجل قرأت القران قال نعم قال فهل وجدت فیه صلاة العشا اربعا و وجدت المغرب ثلاثا والغداة رکعتین

اے ابو نجید آپ ہم سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کی اصل ہم قرآن میں نہیں پاتے عمران رضی اللہ عنہ غصہ ہوئے اور اس شخص سے کہا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ پوچھا کیا تو نے اس میں یہ بات پائی کہ عشاء کی نماز کی چار رکعتیں ہیں اور کیا تو نے یہ پایا کہ

والظهر اربعا والعصر اربعا قال لا. قال فعمن اخذتم ذلك ألستم عنا اخذتموه و اخذناه عن رسول الله عليه وسلم. أوجدتم فيه من كل اربعين شاة شاة و في كل كذا بعير كذا وفي كل كذا درهما كذا، قال لا قال فعمن اخذتم ذلك، الستم عنا اخذتموه و اخذناه عن النبي صلى الله عليه وسلم.

وجدتم في القرآن واليطوفوا بالبيت العتيق أوجدتم فيه فطوفوا سبعا واركعوا خلف المقام؟

اوجدتم في القرآن لا جلب ولا جنب ولا شغار في الاسلام؟ أما سمعتم الله قال في كتابه وما اتكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

قال عمران فقد اخذنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اشياء ليس لكم بها علم.

مغرب کی تین رکعتیں ہیں اور فجر کی دو رکعتیں اور ظہر کی چار اور عصر کی چار رکعتیں ہیں۔ جواب دیا کہ نہیں فرمایا کہ یہ تم نے کس سے حاصل کیا۔ کیا ہم سے حاصل نہیں کیا اور ہم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں لیا۔ کیا تم نے اس میں پایا کہ ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور ہر اتنے اونٹوں میں اتنے اونٹ ہیں اور ہر اتنے درہم میں اتنے درہم ہیں کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ یہ تم نے کس سے حاصل کیا۔ کیا تم نے اس کو ہم سے حاصل نہیں کیا اور ہم نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔

تم نے قرآن میں یہ پایا ولیطوفوا بالبیت العتیق کیا تم نے اس میں یہ بھی پایا کہ سات چکر لگاؤ اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھو۔

کیا تم نے قرآن میں لا جلب ولا جنب کا اور لا شغار فی الاسلام کا حکم بھی پایا۔ کیا تم نے کتاب اللہ میں اللہ کا یہ قول نہیں سنا ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا

عمران رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ باتیں سیکھی ہیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔

نتیجہ شرکائے امتحان سالانہ جامعہ مدنیہ

جامعہ مدنیہ کے سالانہ امتحانات منعقدہ شعبان ۱۴۱۶ھ کے نتائج کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

اس سال جامعہ کے طلبہ کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ ۱۰۰٪ فیصد رہا اوسط ۶۴٫۴ ٪ فیصد اور کم سے کم ۸٪ فیصد رہا۔

شعبہ قرائتِ سبعہ متواترات میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے اوّل انعام کے مستحق قرار پائے۔ قاری غلام یاسین بن نور محمد ساکن مظفر گڑھ انھوں نے ۳۰۰ میں سے ۲۹۸ نمبر حاصل کیے جو کہ ۹۹٫۳ ٪ فیصد ہیں

شعبہ تجوید سال دوم میں قاری محمد شبیر بن اللہ یار ساکن حاصل پور اوّل انعام کے مستحق قرار پائے انھوں نے ۴۰۰ میں سے ۴۰۰ نمبر حاصل کیے جو کہ ۱۰۰٪ فیصد ہیں

شعبہ تجوید سالِ اوّل میں محمد افسر بن عمر ساکن بنوں سال اوّل انعام کے مستحق قرار پائے۔ انھوں نے ۳۰۰ میں سے ۳۰۰ نمبر حاصل کیے جو کہ ۱۰۰٪ فیصد ہیں۔

شعبہ کُتب میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے اوّل انعام کے مستحق قرار پائے۔ محمد عمران بن مولانا مفتی عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ ساکن لاہور، درجہ خاصہ سالِ دوم انھوں نے ۵۰۰ میں سے ۴۸۶ نمبر حاصل کیے جو کہ ۹۷٫۲ ٪ فیصد ہیں۔

دوسرے نمبر پر محمد حارث بن محمد اسلم ساکن لاہور درجہ عامہ سالِ اوّل گروپ ب انھوں نے ۵۰۰ میں سے ۴۳۵ نمبر حاصل کیے جو کہ ۸۷٪ فیصد ہیں۔

تیسرے نمبر پر عبداللہ بن مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ساکن لاہور درجہ عامہ سالِ اوّل گروپ الف انھوں نے ۸۰۰ میں سے ۶۴۸ نمبر حاصل کیے جو کہ ۸۱٪ فیصد ہیں۔

اپنے اپنے درجہ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طلبہ کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔

مولوی شاہد جاوید بن محمد شفیع درجہ دورۂ حدیث شریف ساکن لاہور

شفیق اللہ بن عبدالجبار، درجہ عالیہ سالِ اوّل ساکن افغانستان

غلام رسول بن حبیب اللہ، درجہ خاصہ سالِ اوّل، ساکن سکردو بلتستان

مظہر الحق بن عبداللطیف، درجہ عامہ سالِ اوّل، ساکن افغانستان

حبیب بابر بن سراج الدین، درجہ متوسطہ سالِ اوّل، ساکن لاہور

نتیجہ شرکائے وفاق

الحمد للہ گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی وفاق المدارس العربیۃ کے تحت منعقد ہونے والے امتحان شعبان ۱۴۱۶ھ میں تمام درجات کے طلبہ شریک ہوئے اور کامیابی حاصل کی نتیجہ زیادہ سے زیادہ ۸۷٪ فیصد اوسط ۷۵٪ فیصد اور کم سے کم ۳۶ فیصد رہا۔ وفاق المدارس کے امتحان میں جامعہ کی سطح پر سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے فوقیت حاصل کرنے والے طالب علم محمد اکرم بن محمد اقبال درجہ عامّہ سالِ دوم ساکن نارووال ہیں جنہوں نے ۶۰۰ میں سے ۵۲۳ نمبر حاصل کیے جو کہ ۸۷٫۱۶٪ فیصد ہیں۔

دوسرے نمبر پر عبداللہ بن عبدالرزاق ساکن سکردو بلتستان درجہ متوسطہ انھوں نے ۶۰۰ میں سے ۵۲۴ نمبر حاصل کیے جو کہ ۷۵٫۳٪ ہیں۔

تیسرے نمبر پر محمد قمر عاصم بن محمد یعقوب عاصم درجہ عامہ سالِ دوم ساکن لاہور انھوں نے ۶۰۰ میں سے ۵۱۴ نمبر حاصل کیے جو ۷۵٫۱۶ فیصد ہیں۔

اپنے اپنے درجات میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طلبہ مندرجہ ذیل ہیں۔

درجہ عالمیہ	سالِ دوم	مولوی مختار احمد بن محمد لطیف ساکن لاہور
درجہ عالیہ	〃 〃	محمد عارف بن افتخار احمد ساکن لاہور
درجہ خاصہ	〃 〃	محمد عارف بن منظور احمد ساکن چنیوٹ جھنگ
درجہ عامہ	〃 〃	محمد اکرم بن محمد اقبال ساکن نارووال
درجہ متوسطہ	〃 〃	عبداللہ بن عبدالرزاق ساکن سکردو بلتستان

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اس دَر کے سوا اور کونسا در ہے؟

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ (م ۱۴۰۲/ ۱۹۸۲ء) تحریر فرماتے ہیں

"ایک بزرگ مکّہ مکرمہ میں ستر برس رہے اور برابر حج اور عمرے کرتے رہے، لیکن جب وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھتے اور لَبَّیْكَ (حاضر ہوں) کہتے تو جواب لَا لَبَّیْكَ (تمہاری حاضری قبول نہیں) ملتا، ایک مرتبہ ایک نوجوان نے اُن کے ساتھ ہی احرام باندھا اور اُن کو جب لَا لَبَّیْكَ کا جواب ملا تو اُس نے بھی سُنا تو وہ کہنے لگا۔ چچا جان آپ کو تو لَا لَبَّیْكَ کہا، کہنے لگے کہ بیٹا تو نے بھی سُنا اُس نے کہا مَیں نے بھی سُنا ہے۔ اس پر شیخ روئے اور کہنے لگے کہ بیٹا مَیں تو ستّر برس سے یہی جواب سُنتا ہوں۔ جوان نے کہا پھر کیوں آپ اتنی مشقت ہمیشہ اُٹھاتے ہیں؟ شیخ نے کہا کہ بیٹا اِس کے سوا اور کونسا دروازہ ہے جس کو پکڑ لوں اور اس کے سوا اور کون میرا ہے جس کے پاس جاؤں، میرا کام تو کوشش ہے وہ چاہے رد کرے یا قبول کرے، بیٹا غلام کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اتنی بات کی وجہ سے آقا کے دَر کو چھوڑ دے یہ کہہ کر شیخ رو پڑے، حتّٰی کہ آنسو سینے تک بہنے لگے، اس کے بعد پھر لَبَّیْكَ کہی تو جوان نے سُنا کہ جواب میں کہا گیا کہ "ہم نے تیری پُکار کو قبول کر لیا اور ہم ایسا ہی کرتے ہیں ہر ایک شخص کے ساتھ جو ہمارے ساتھ حُسنِ ظن رکھے۔ بخلاف اس کے جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور ہم پر اُمّیدیں باندھے"۔ جوان نے جب یہ جواب سُنا

تو کہنے لگا چچا تم نے بھی یہ جواب سُنا شیخ یہ کہہ کر کہ مَیں نے بھی سُن لیا، اتنے روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔[1]

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کا زہد و تقویٰ

حضرت ربیع بن خثیم ان جلیل القدر ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے رسالت کا مقدس دَور تو پایا، لیکن شرفِ صحابیت نہ پا سکے، تاہم وہ اس عہد کی برکات سے مالامال اور علم و عمل زہد و تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں ہیں، عزلت نشینی، خاموشی اور خشیتِ الٰہی آپ کے ممتاز اوصاف تھے۔

ایک دفعہ آپ لوہار کی بھٹی کے پاس سے گزرے تو بھٹی دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔[2]

آپ کا ایک بیش قیمت گھوڑا چوری ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ چور کے لیے بددُعا کیجیے، آپ نے یُوں دُعا فرمائی

"اللّٰھم ان کان غنیا فاغفر له و ان کان فقیرا فاغنه"[3]
اے اللہ اگر وہ چور مالدار ہے تو اُسے معاف فرمادے اور اگر وہ فقیر ہے تو اسے مالدار کر دے۔

حضرت علقمہ بن مرثد غنوی فرماتے ہیں "زہد" آٹھ تابعین پر ختم ہے اُن آٹھ میں سے ایک ربیع بن خثیم ہیں[4] رحمہم اللہ۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) نے آپ کے زہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ ذکر کیا ہے آپ بھی سُنیے۔ لکھتے ہیں۔

"حضرت ربیع پر فالج کا حملہ ہُوا جس کی وجہ سے آپ تکلیف میں رہنے لگے۔ ایک دفعہ آپ کو مُرغی کا گوشت کھانے کی خواہش ہُوئی۔ آپ نے چالیس دن تک اس خواہش کو دباتے رکھا، ایک دن اپنی اہلیہ سے فرمایا چالیس دن سے مرغی کا گوشت کھانے کو جی چاہ رہا تھا،

---

[1] فضائل حج ص۱۹ [2] صفة الصفوة ج:۳، ص۳۵
[3] صفة الصفوة ج:۳ ص۳۲ [4] ایضاً ص۳۲۔

لیکن میں نے اپنے جی کو روکے رکھا کہ شاید رُک جائے، لیکن جی نہیں مانا، اہلیہ نے عرض کیا، سبحان اللہ یہ کون سی ایسی چیز تھی جس سے آپ نے اپنے جی کو روکے رکھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ خیر اہلیہ نے بازار سے ایک درہم اور دو دانق کی مرغی منگوا کر ذبح کی اور اسے اچھی طرح سے بھونا، روغنی روٹیاں پکائیں، دسترخوان میں لگایا اور آپ کے سامنے پیش کر دیا آپ کھانے کے لیے بڑھے ہی تھے کہ دروازہ پر ایک سائل آیا اور اس نے یہ صدا لگائی۔

"تَصَدَّقُوْا عَلَيَّ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ"

خیرات دو اللہ برکت دے گا۔

آپ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور بیوی سے فرمایا یہ کھانا دسترخوان میں رکھ کر سائل کو دے دو۔ اہلیہ نے کہا سبحان اللہ، فرمایا جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ میں سائل کو اس سے بہتر اور اس کی پسندیدہ چیز دے دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ عرض کیا کہ اس کی قیمت، فرمایا تم نے بہت اچھی بات کہی، جاؤ قیمت لے آؤ، وہ قیمت لے آئیں۔ آپ نے فرمایا یہ قیمت بھی دسترخوان میں رکھ لو اور کھانا اور قیمت دونوں سائل کو دے آؤ۔"[1]

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا آنکھیں بنوانے سے انکار

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اخیر میں نگاہ جاتی رہی تھی۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ حضرت آنکھیں بنوا لیں۔ مولانا نے لوگوں کے سمجھانے کے لیے فرمایا کہ بھئی آنکھ بنے گی تو ڈاکٹر کہے گا کہ پڑے رہو، میری جماعت جاتی رہے گی۔ میں نہیں بنواتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں، فرمایا بتلاؤ میرا کون سا کام اٹکا ہوا ہے چلتا بھی ہوں، پھرتا بھی ہوں، اُٹھتا بھی ہوں بیٹھتا بھی ہوں میں کہاں سے معذور ہوں۔"[2]

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ پڑھ کر راقم کو ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا واقعہ

---

[1] صفوۃ الصفوۃ ج: ۳ ص ۳۴ [2] روح الافطار مشمولہ ہفت اختر ص ۱۸۱

یاد آگیا جو بالکل اسی قسم کا ہے۔ راقم یہ سمجھتا ہے کہ حضرت گنگوہی رح کا واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی پیروی اور ان کے واقعہ کا ایک عملی تسلسل ہے، لگے ہاتھ یہ واقعہ بھی سُنتے چلیے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھ میں جب پانی اُتر آیا تو آنکھ بنانے والے حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو آنکھ بنادیں، لیکن پانچ دن تک آپ کو احتیاط کرنا پڑے گی کہ سجدہ بجائے زمین کے کسی اونچی لکڑی پر کرنا ہوگا۔ اُنھوں نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، واللہ ایک رکعت بھی اس طرح پڑھنا مجھے منظور نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد مجھے معلوم ہے کہ جو شخص ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے وہ حق تعالیٰ شانہٗ سے ایسی طرح ملے گا کہ حق سبحانہٗ و تقدس اس پر ناراض ہوں گے۔"[1]

حضرت میاں جی نور محمد رحمہ اللہ کا شغفِ نماز

حضرت شیخ الحدیث رح صاحب آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

(آپ) "قصبہ لوہاری جو تھانہ بھون کے قریب ہے وہاں ایک مکتب میں لڑکوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے، اتباعِ سُنّت میں کمال درجہ حاصل تھا، حتّٰی کہ تیس سال تک تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔"[2]

حضرت حاجی سیّد عابد حسین رحمہ اللہ کا شغفِ نماز

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ (م ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م) تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت حاجی حافظ سیّد عابد حسین صاحب قدس سرہ العزیز کا تعلق خاندانِ سادات سے تھا آپ صوفی منش، زاہد اور متقی بزرگ تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری کا بیان ہے کہ ایک روز آپ کو بہت زیادہ رنجیدہ دیکھا گیا۔ کبیدگی اور افسردگی کی یہ حالت تھی کہ کسی نوجوان عزیز کی

---

[1] حکایاتِ صحابہ ص ۶۳ [2] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳۲

مرگِ ناگہانی کا شبہہ ہوتا تھا، سبب دریافت کیا گیا تو بہت زیادہ اصرار کے بعد معلوم ہوا کہ اٹھائیس سال بعد آج جماعتِ صبح کی تکبیرِ تحریمہ فوت ہو گئی"۔[1]

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا شغفِ نماز

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ دم تحریر فرماتے ہیں۔

"آج جبکہ آپ کو دُنیا سے اُٹھے ہوئے دو سال ہو لیے، اگر مخلوق جمع ہو کر پوری ہمّت خرچ کرے اور یادداشت کو پوری طرح کام میں لاکر مہینوں بھی سوچے تو انشاء اللہ ایک واقعہ بھی ایسا نہ نکال سکے گی جس میں آپ کی نماز کا قضا ہو جانا یا جماعت سے کاہلی و سستی یا کسی شرعی مسلّم پسندیدہ امر سے ذرہ برابر بے رغبتی یا غفلت آپ کی ثابت ہوتی ہو، دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں جب آپ تشریف لائے ہیں تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دِن ایسا اتّفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نماز پڑھانے کو مصلے پر جا کھڑے ہوئے، مخلوق کے اژدحام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث باوجود عجلت کے جس وقت آپ جماعت میں شریک ہوئے ہیں تو قرأت شروع ہو گئی تھی، سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ اُداس اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا، اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ "افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی"۔[2]

قارئین محترم جن بزرگوں کے واقعات آپ نے ملاحظہ فرمائے، اُن میں سے میاں[1] جی نور محمد قدس سرہٗ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی رحمہ اللہ کے پیرومرشد ہیں اور حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اکابر دیوبند کے پیر ہیں۔

حضرت[2] حاجی سیّد عابد حسین صاحب قدس سرّہٗ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور پہلے مہتمم ہیں۔

حضرت[3] مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کے خلیفہ اور دارالعلوم دیوبند کے دوسرے سرپرست ہیں ۔۔۔۔ اس سے اندازہ فرما لیجیے کہ جس مدرسہ کی روحِ رواں ایسی ہستیاں ہوں وہ بارگاہِ خداوندی میں کیسے نہ مقبول ہو اور سارے عالم پر اس کا فیضان کیسے نہ ہو؟

---

[1] علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ج ۱ ص ۶۴

[1] تذکرۃ الرشید ج دوم ص ۱۶ [2] فضائل نماز ص ۹۲ ۔

(بقیہ: صفحہ ۶۳ پر)

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : تفسیر حل القرآن (دو جلد)

مصنّف : حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی رحمہ اللہ

صفحات : جلد اوّل ۸۰۰، جلد دوم ۶۵۱

سائز : $\frac{۳۰\times۲۰}{۸}$

قیمت : ۵۲۵/-

ناشر : ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قرآن مجید و فرقانِ حمید کی تفسیریں ہر دَور میں لکھی جاتی رہی ہیں۔ زمانۂ حال میں بھی لکھی جا رہی ہیں اور آئندہ بھی لکھی جاتی رہیں گی، کیونکہ یہ کتاب ہی ایسی ہے کہ "لا تنقضی عجائبہ" جس کے عجائبات ختم نہیں ہو پاتے زیرِ تبصرہ تفسیر "حل القرآن" جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہ آج سے تقریباً اُنہتر ستر برس پہلے لکھی گئی تھی جس میں اُس زمانے کے مزاج کے مطابق اختصار سے کام لیا گیا تھا، اس تفسیر کے مستند ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ یہ طباعت سے قبل حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی نظر سے اوّل سے آخر تک گزر چکی تھی۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس تفسیر کے متعلّق فرماتے ہیں۔

" بعد الحمد والصلوٰۃ احقر مظہر مدعا ہے کہ میں نے اس تفسیر مسمّٰی بہ "حل القرآن" مؤلف مشفقِ مکرم جامعِ فضائلِ علمیہ و عملیہ مولوی حبیب احمد کیرانوی سلمہ اللہ تعالیٰ کو شروع سے ختم تک حرفاً حرفاً دیکھا ہے، جو خصوصیات تفسیر کی میرے ذہن میں ہیں اُن کو لکھتا ہوں۔

(۱) ترجمہ سلیس و شگفتہ ہے جس میں لغت و محاورہ کی کافی رعایت ہے، زبان نہ بازاری و مُبتذل ہے

نہ محض کتابی۔

(۲) تفسیر نہ اتنی مختصر ہے کہ مقصود میں مُخِل ہو نہ ایسی طویل کہ ناظرین کے لیے مُمِل ہو۔

(۳) تفسیر کی تقریر ایسے انداز سے کی گئی ہے کہ اس سے اجزاء قرآنیہ میں نہایت لطیف ارتباط بھی ظاہر ہو گیا۔"[۱]

حضرت نے اور بھی کچھ خصوصیات ذکر کی ہیں جو تفسیر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ عرصہ سے یہ تفسیر نایاب تھی ، اللہ تعالیٰ مولانا اسحاق صاحب کو جزاء دے کہ انھوں نے اس گوہر نایاب کو زیور طبع سے آراستہ کر کے سہل الحصول بنا دیا، موصوف نے یہ تفسیر چونکہ فوٹو لے کر چھاپی ہے۔ اس وجہ سے بعض مقامات پر چھپائی میں وہ عمدگی نہیں رہی جو ہونی چاہیے تھی، مولانا اسحاق صاحب اس تفسیر کا آئندہ ایڈیشن اگر عمدہ کتابت و طباعت اور بہترین کاغذ پر چھاپیں تو بہتر ہوگا، تاہم یہ ایڈیشن بھی بساغنیمت ہے کہ اس طرح ایک نایاب تفسیر عام لوگوں تک پہنچ گئی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً

○

نام کتاب : مجذوبانہ واویلا

مصنّف : حضرت مولانا عبدالقدوس قارن

صفحات : ۳۲۰

سائز : ۳۶×۲۳/۱۶

قیمت : ۶۰/-

ناشر : مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرت العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ترجمانِ مسلکِ اہلِ سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم کی شخصیت اس حیثیت سے ممتاز و منفرد ہے کہ آپ نے مملکتِ خداداد پاکستان میں تحریری طور پر اہل باطل کے خلاف تن تنہا جو کبھی لڑائی لڑی۔ گمراہ کن عقائد و نظریات اور متعصبانہ افکار کا پرچار کرنے والوں کا علمی اور تحقیقی طور پر تعاقب کیا اور اسلامی عقائد و اعمال کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے والوں کو منہ توڑ جواب

---

[۱] تفسیر حل القرآن ج اول ص۳

دے کر علماء حق کی جانب سے فرضِ کفایہ ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصانیف کو مقبولیت عطا فرمائی جن سے علماء، طلباء اور عوام اپنے اپنے ظرف کے مطابق فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

آپکی تصانیف سے جہاں بہت سے گُم کردہ راہوں کو ہدایت اور بہت سے شکوک و شُبہات کا شکار لوگوں کو منزل ملی وہیں اُن سے اہلِ باطل پیچ پا اور غضب ناک ہُوئے اور اُنھوں نے اعتدال و میانہ روی کی راہ کو چھوڑ کر کج روی اور کج بحثی کو اختیار کیا اور سنجیدگی سے سوچنے کے بجائے حضرت شیخ کی شخصیت کا اثر ختم کرنے کے لیے آپ کو مجروح و مطعون کرنے کی ناکام کوششیں شروع کر دیں، چنانچہ اس سلسلہ میں پہلے ایک کتاب "آئینہ تسکین الصدور" لکھی گئی جس میں انتہائی ضد و عناد اور تعصب سے کام لیا گیا اس آئینہ کو دیکھ کر غیر مقلدین کے مقتدر عالم ارشاد الحق اثری صاحب کی رگِ حمیت پھڑکی اور اُنھوں نے ایک دوسرا آئینہ تیار کر دیا جس کا نام "مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں" رکھا۔ زیر تبصرہ کتاب اسی کا جواب ہے جو حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتھم کے لائق فرزند مولانا عبد القدوس قارن نے لکھا ہے

غیر مقلدین کے حلقہ میں ارشاد الحق اثری صاحب کے متعلق ہمیں حُسنِ ظن تھا، لیکن مولانا قارن صاحب کی کتاب پڑھ کر احساس ہُوا کہ موجودہ دَور میں غیر مقلدین کا کوئی فرد حسنِ ظن کے قابل نہیں۔ ہمیں اس پر بڑی حیرت ہُوئی کہ ارشاد الحق اثری صاحب جو اپنے حلقہ میں محقق العصر کے منصب پر فائز ہیں۔ اُنھیں اتنی بھی لیاقت نہیں کہ وہ مصنفِ کتاب کے منشا کو سمجھیں یا پھر وہ ضد اور عناد کا شکار ہیں اور مسلکی تعصّب کی بنا پر دھوکہ دہی سے کام لیتے ہیں۔

اثری صاحب نے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے خلاف کتاب لکھ کر کوئی دین کی خدمت نہیں کی بلکہ منکرین حدیث، اہلِ بدعت اور روافض و خوارج کو فائدہ پہنچایا ہے۔ یہی کام ان کے پیش رو ناصر الدین البانی صاحب کر چکے ہیں۔ ان حضرت نے صحاحِ ستہ کی کُتب کو صحیح اور ضعیف میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ طبع کیا ہے۔ مثلاً صحیح سننِ ترمذی، ضعیف سننِ ترمذی، صحیح سنن نسائی ضعیف سنن نسائی، صحیح ابن ماجہ، ضعیف ابن ماجہ وغیرہ وغیرہ اس کو ان کے حلقے کے لوگ حدیث کی خدمت قرار دے رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ البانی صاحب نے منکرین حدیث کو بنا بنایا لٹریچر فراہم کر کے اُن کے لیے سہولت پیدا کر دی ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اللہ تعالیٰ مولانا قارن صاحب کو جزاءِ خیر دے کہ اُنھوں نے بر وقت اثری صاحب کی کتاب کا جائزہ لے کر سادہ لوح عوام کے ایمان کو بگڑنے سے بچالیا، ورنہ ممکن تھا کہ بہت سے ضعیف الاعتقاد لوگ اثری صاحب کے بچھائے ہُوئے جال کا شکار ہو جاتے ، البتہ ہمیں قارن صاحب کے رکھے ہُوئے نام سے معمولی اختلاف ہے۔ اس کا نام مجذوبانہ واویلا کے بجائے مجنونانہ واویلا رکھتے تو بجا تھا، کیونکہ اثری صاحب کی کتاب میں مجذوبانہ کلام نہیں، بلکہ مجنونانہ بڑیں ہیں۔

قارن صاحب کی یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس کا اہلِ سُنّت کے ہر فرد کے پاس ہونا ضروری ہے تاکہ وہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کی تحریرات کے متعلق کسی قسم کے شک و شُبہہ کا شکار نہ ہو۔

O

نام کتاب : مکتوبات حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ

مرتبہ : مولانا احمد عبد الرحمٰن صدیقی

صفحات : ١٩٢

سائز : $\frac{٣٦ \times ٢٣}{١٦}$

قیمت : -/٧٥

ناشر : مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ صدر

اولیاء کرام اور بزرگانِ دین کے مکاتیب کی طباعت و اشاعت کا سلسلہ قدیم سے چلا آرہا ہے، مکتوبات امام ربّانی مجدد الف ثانی (قدس سرہٗ) مکاتیب سیّد احمد شہید (رحمہ اللہ) اور مکتوبات شیخ الاسلام (رحمہ اللہ) اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ حال ہی میں مولانا احمد عبد الرحمٰن صدیقی صاحب نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ کے تقریباً سوا دو سو (٢٢٥) مکاتیب مبارکہ کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ یہی مجموعہ اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے یہ مکاتیب آپ کے خلفاء، اولاد و احفاد، متعلقین و متوسلین وغیرہ کے نام ہیں ان خطوط سے جہاں حضرت کے علوم و معارف کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہیں اُس دَور کے تاریخی و سیاسی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ بعض خطوط انتہائی نجی حالات سے متعلق ہیں۔ اُن سے آپ کی گھریلو

معاملات میں دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مکاتیب کو پڑھتے وقت یہ بات شدت سے محسوس ہوئی کہ مکتوب الیہم کا حضرت لاہوریؒ سے تعلق اُن کا مختصر تعارف نیز حضرت نے یہ مکاتیب کس تناظر میں لکھے، اگران چیزوں کا تذکرہ کر دیا جاتا تو اچھا ہوتا تاکہ ان مکاتیب سے استفادہ کرنے والا علی وجہ البصیرت استفادہ کرتا، تاہم "مالا یدرك كله لا یترك كله" کے مطابق یہ مکاتیب جس طرح بھی ہیں بسا غنیمت ہیں، اور اُن کی اشاعت ایک مستحسن اقدام ہے۔ عمدہ کتابت وطباعت اور لیمینیشن جلد کے ساتھ مکاتیب کا یہ مجموعہ مندرجہ بالا پتے پر دستیاب ہے قارئین اس سے ضرور استفادہ فرمائیں (ن-ا)

بقیہ: حاصلِ مطالعہ

یاد رہے کہ اکابر دیوبند کا یہ عملِ پیہم اسلاف کے عمل کا تسلسل ہے، چنانچہ سید التابعین حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

"بیس برس کے عرصے میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ
اذان ہوئی ہو اور میں مسجد میں پہلے سے موجود نہ ہوں"[ا]

اللہ تعالیٰ ہمیں اکابر و اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○

اعلان

"ادارہ السّادات" شیخوپورہ کے سربراہ سیّد امین گیلانی نے اپنے ادارے کے مینیجر عبدالسّتار عاصم کو بوجوہ ادارہ سے فارغ کر دیا ہے۔ اس کے کسی قول و فعل اور لین دین کے لیے ادارہ ذمّہ دار نہ ہوگا۔ اپنے آرڈرز کے لیے براہِ راست سیّد امین گیلانی سے مندرجہ بالا پتہ پر رابطہ کریں۔

ا فضائل نماز ص۹۲